ماہنامہ
مسلمان بچے
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور پاکستان
184
www.musalmanbachey.com
جمادی الثانی ۱۴۴۴ / جنوری 2023

قافلے کی تلاش

سوچ کا اُستاذ
سُنتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عاشقانہ تذکرہ

جنگلستان
جنگل کہانی

مجت
ایک سچا واقعہ

اس کے علاوہ
دیگر مستقل سلسلے
اور بہت کچھ

ماں بنا سائنسدان
کہیں آپ بھی تجربہ نہ کر بیٹھیں

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور پاکستان

بچوں کے اسلامی، اخلاقی، تعلیمی، تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

شمارہ: 6 جمادی الثانی ۱۴۴۴ھ بمطابق جنوری 2023ء جلد: 16

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ زرِ تعاون =/720 روپے

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے:

مکتبۃ ابن مبارک
37۔حق سٹریٹ اردو بازار۔لاہور
موبائل: 0322-5140485

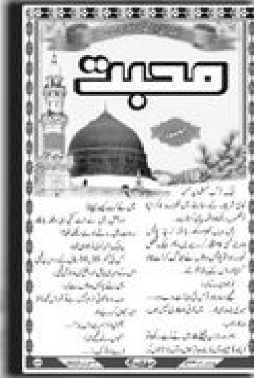
پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔



فرمان باری تعالیٰ

اللہ کی مساجد صرف وہی لوگ تعمیر کر سکتے ہیں، جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرے اور عنقریب یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے۔ (سورۃ التوبہ)

حمد باری تعالیٰ

سجی ہے رنگ رنگ کائناتِ رَبِّيَ الْعَظِیم
حدودِ حمد سے ورا ہے ذاتِ رَبِّيَ الْعَظِیم
ودود ہے، مجیب ہے، کریم ہے، حفیظ ہے
ولی کرم عطاء غنا صفاتِ رَبِّيَ الْعَظِیم
وہ خالق و وکیل ہے وہ مالک و جلیل ہے
بہ نطق مصطفیٰ ہیں محکماتِ رَبِّيَ الْعَظِیم
وہ ابتدا کی ابتداء وہ انتہا کی انتہا
گماں سے بھی ورا ہیں معجزاتِ رَبِّيَ الْعَظِیم
چرند اور پرند، جن و انس مہر و ماہ کے
زباں بیاں ہیں صرف حامداتِ رَبِّيَ الْعَظِیم
تری ہے ذات مستقل تو واجب الوجود ہے
حیات ہی حیات ہے ثباتِ رَبِّيَ الْعَظِیم
یہ منظرِ حزیں بفیض مصطفیٰ و مجتبیٰ
ہوا ہے سرنگوں بہ التفاتِ رَبِّيَ الْعَظِیم

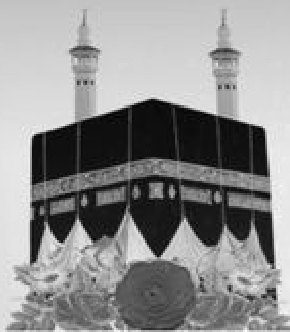
فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنائے گا، اگرچہ چیل کے گھونسلے کے برابر ہی کیوں نہ ہو یا اس سے بھی چھوٹی ہو، اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں بنائے گا۔ (ابن ماجہ)

نعت رسول مقبول ﷺ

یہ ہم لوگ ، وہ چاند تارے ترے
یہ نظریں تری ، وہ نظارے ترے
کُل انسانیت کو ہے تجھ سے شرف
سب اخلاقِ انساں سنوارے ترے
ہمیں حق نما ہے تری ذاتِ پاک
ہیں ارکانِ دیں استعارے ترے
تری مہربانی زماں در زماں
کوئی کیسے احساں اتارے ترے
نہیں ڈر ہمیں کوئی منجدھار سے
دکھائے ہوئے ہیں کنارے ترے
یہ عاصی یہ دیندار یہ پارسا
شفاعت کے محتاج سارے ترے
ابوبکرؓ ، عثمانؓ ، عمرؓ اور علیؓ
ہمیں دل سے پیارے یہ پیارے ترے







ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْھُدیٰ وَ التُّقیٰ وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنیٰ

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی، اور لوگوں سے بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيرِ وَالذَّهَبِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ

ترجمہ: حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام کر دیا گیا ہے البتہ عورتوں کے لئے حلال ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، سب سے اونچا شعبہ ''لا الہ الا اللہ'' کا اقرار کرنا اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے اور حیاء ایمان کا شعبہ ہے'' (مسلم)

یعنی یہ ایمان کے درخت کی شاخیں ہیں...... اور بالفاظ دیگر ایمان کے تقاضے......

ایمان کا درخت جب دل میں مضبوط جڑ پکڑ لیتا ہے تو اس کے اثرات انسان کے اعمال سے ظاہر ہوتے ہیں......

پھر وہ ہر ایسا کام کرتا ہے جسے کرنا ایمان کا تقاضا ہو اور ہر اس کام سے رکتا ہے جس سے رکنا ایمان کا تقاضا ہو......

اور انہی اعمال سے پتہ چلتا ہے کہ دل میں ایمان کس درجے کا ہے......

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں......

حضرات علماء کرام نے قرآن و حدیث سے انہیں جمع کیا اور ان کے بارے میں مستقل کتب تحریر فرمائیں......

معروف محدث امام بیہقی رحمۃ اللہ کی کتاب کا نام ہی ''شعب الایمان'' (ایمان کے شعبے) ہے......

۷۷ شعبے ایمان کے انہوں نے بیان کیے......

کچھ ایسے ہیں جن کا وجود ایمان کی لازمی شرائط میں سے ہے......

یعنی اگر وہ موجود نہ ہوں تو ایمان ہی معدوم......

اور کچھ کا تعلق ایمانی کیفیات کی کمی، زیادتی سے ہے......

پس اکمل ترین ایمان والا وہ شخص ہوگا جو ان تمام شعبوں کا جامع ہو......

اور جس قدر ان اعمال میں کمی ہوگی اسی قدر ایمانی کیفیات کمزور ہونگی......

آئیے! ان ایمانی شعبوں کی فہرست پڑھتے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں ہم اپنے ایمان کا جائزہ لے سکیں......

اور کوشش کریں کہ سب کو مکمل اپنائیں تاکہ ''ایمان کامل'' نصیب ہو......

۱۔ لا الہ الا اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) کا اقرار و تصدیق

۲۔ تمام انبیاء اور رسولوں کی تصدیق

۳۔ تمام فرشتوں کو ماننا

۴۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں کو منزل من اللہ ماننا

۵۔ تقدیر خیر ہو یا شر سب اللہ کی طرف سے ہے۔

۶۔ آخرت کے دن کا یقین

۷۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا برحق ہے۔

۸۔ پانچوں نمازوں کی فرضیت

۹۔زکوٰۃ کی فرضیت

۱۰۔رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت

۱۱۔فرضیت حج

۱۲۔جہاد فی سبیل اللہ

۱۳۔قبروں سے اُٹھائے جانے کے بعد انسانوں کا حشر

۱۴۔جنت کا اہل ایمان کیلئے اور جہنم کا اہلِ کفر کیلئے خاص ہونا (دوامی طور پر)

۱۵۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا وجوب

۱۶۔اللہ تعالیٰ سے خشیت کا وجوب

۱۷۔رحمتِ الٰہی کی امید رکھنا

۱۸۔اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھنا

۱۹۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا واجب ہونا

۲۰۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا واجب ہونا

۲۱۔دین کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھنا

۲۲۔علم دین حاصل کرنا

۲۳۔علم دین کی تبلیغ کرنا اور اسے لوگوں میں پھیلانا

۲۴۔قرآن مجید کی تعظیم

۲۵۔طہارت و پاکیزگی کا ضروری ہونا

۲۶۔اعتکاف

۲۷۔مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت و چوکیداری کرنا

۲۸۔دشمنوں کے سامنے مقابلے کے وقت ثابت قدمی

۲۹۔مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ حاکم کو دینا

۳۰۔غلام آزاد کرنا

۳۱۔کفّارے ادا کرنا

۳۲۔عہد و پیمان کو پورا کرنا

۳۳۔اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

۳۴۔بے کار اور بیہودہ باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھنا

۳۵۔امانت ادا کرنا

۳۶۔بغیر حق کے لوگوں کو قتل کرنے کی حرمت

۳۷۔شرمگاہوں کی حفاظت

۳۸۔ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال لینے سے پرہیز

۳۹۔حلال کھانا

۴۰۔مَردوں کیلئے ریشم کے کپڑے پہننے اور سونے چاندی کے برتنوں کی حرمت

۴۱۔شریعت کے مخالف لہو ولعب کا حرام ہونا

۴۲۔اخراجات میں میانہ روی (یعنی اسراف اور بخل کے درمیان)

۴۳۔حسد اور کینے سے بچنا

۴۴۔عزت و آبرو کی حرمت

۴۵۔اعمال کو خالص اللہ کی رضاء کیلئے کرنا اور ریا کاری سے بچنا

۴۶۔نیکی کرنے سے خوش اور برائی کرنے سے غمگین ہونا

۴۷۔گناہوں سے توبہ کرنا

۴۸۔قربانی کرنا (عید، عقیقہ یا صدقہ کے

موقع پر)

۴۹۔اولو الامر کی اطاعت (شرعی حاکموں کی فرمانبرداری کرنا)

۵۰۔جماعتی زندگی اختیار کرنا (یعنی امت سے الگ تھلگ ہونے سے بچنا)

۵۱۔عدل وانصاف سے فیصلہ کرنا

۵۲۔نیکیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر)

۵۳۔نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون

۵۴۔شرم وحیاء

۵۵۔والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

۵۶۔رشتہ داروں (اعزہ واقربا) سے میل ملاپ رکھنا (یعنی ان سے قطع تعلق نہ کرنا)

۵۷۔حسنِ اخلاق

۵۸۔آقا کا اپنے غلاموں سے حسن سلوک

۵۹۔غلام کا اپنے آقا سے حسن سلوک

۶۰۔اولاد کے حقوق ادا کرنا

۶۱۔اپنے دینی بھائیوں سے قرب ومحبت رکھنا

۶۲۔سلام کا جواب دینا

۶۳۔مریض کی عیادت کرنا

۶۴۔مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنا

۶۵۔چھینک کا جواب دینا

۶۶۔کفار ومفسدین سے دور رہنا

۶۷۔ہمسایوں کی عزت واحترام کرنا

۶۸۔مہمانوں کا اکرام کرنا

۶۹۔لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنا

۷۰۔مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنا

۷۱۔زہد اختیار کرنا اور امیدوں کو مختصر رکھنا (یعنی لمبی امیدیں نہ باندھنا)

۷۲۔غیرت

۷۳۔فضول اور بے کار کاموں سے دور رہنا

۷۴۔سخاوت

۷۵۔چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت

۷۶۔اصلاح ذات البین

۷۷۔اپنے مسلمان بھائی کیلئے وہی چیز پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کی جائے۔

کامل ایمان وہی ہے جو ان شعبوں کو جامع ہو۔اور یاد رکھئے! ہماری اس فانی اور مختصر زندگی کا سب سے بڑا مقصد اور سب سے اہم ہدف ایمان کے کمال کو پانا ہی ہے۔ضروری ہے کہ ہم سب یہ فہرست محفوظ رکھیں اور اس کی روشنی میں اپنے ایمان کا جائزہ لیتے رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

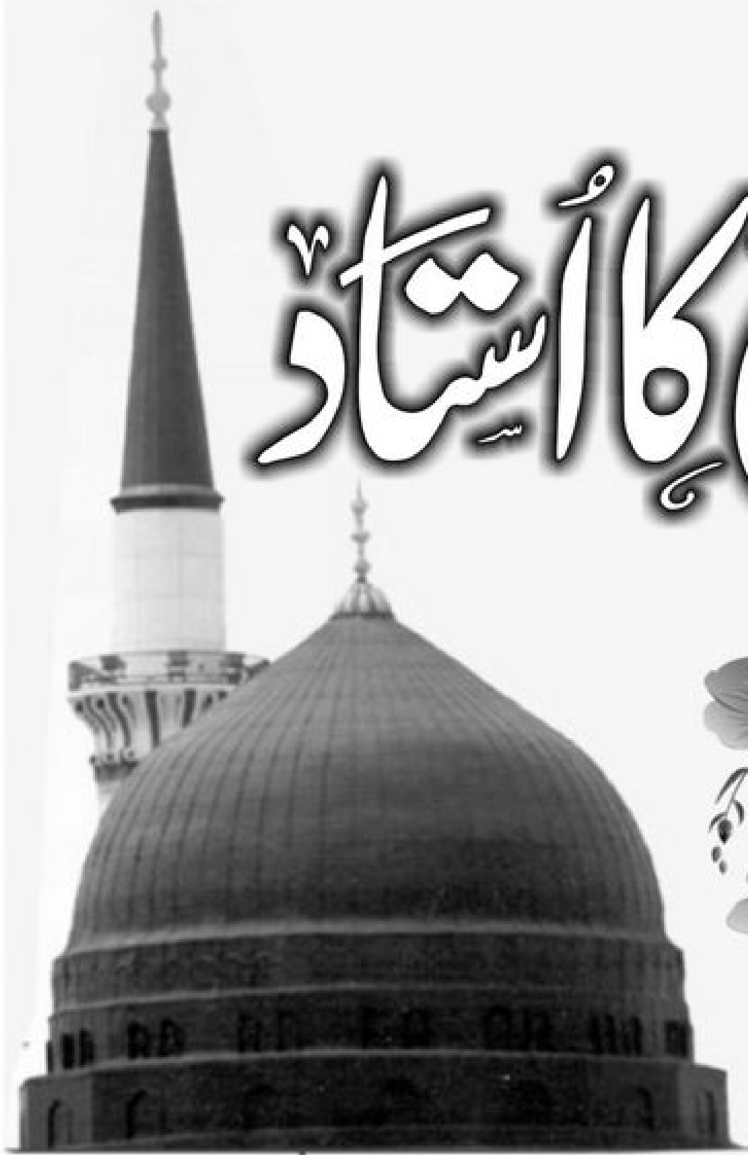
والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو امامہ

محمد عثمان ارشاد

سوچ کا اُستاد





''ماشاءاللہ! میرا بیٹا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہے۔''علی کے والد نے کہا

''میں نے سنا نہیں، علی کی والدہ نے کہا

''کیا کہا آپ نے؟''

''علی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہے'' میں نے کہا

''ہاں....!!! بالکل چند بال علی کی ٹھوڑی پر نمودار ہو گئے ہیں۔''علی کی والدہ نے کہا

''بال نمودار کیوں نہ ہوں...؟ اب تو وہ سکول کو خیر آباد کہہ چکا ہے اب کالج نے اس کا استقبال کرنا ہے۔''علی کے والد نے کہا

''جی بالکل...''اپ نے ٹھیک کہا

علی کے والدین دعوتی ہال میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو اچانک علی کے والد محترم کے ذہن میں بال نمودار ہونے کے خیال کا نزول ہوا۔علی سامنے والے کمرے میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔علی اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کے والد اپنے شہر کے ڈگری کالج میں بطور پروفیسر کی حیثیت سے ملازمت کرتے تھے اور وہ شعبہ اسلامیات کے ماہر ترین پی ایچ ڈی سکالر

تھے۔اب ان کی ملازمت ختم ہونے میں صرف ایک سال رہ گیا تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ علی کو داڑھی کی اہمیت وفرضیت سے روشناس کرواکر پھر اس کو چہرے پر سجانے کا حکم کروں" علی کے والد نے کہا

"پہلے اچھے طریقے سے جوانی کی دہلیز کو چوم لے کہاں یہ 17 سال کی عمر ہے داڑھی رکھنے کی" علی کی والدہ نے کہا

"کیا کہا.......؟

یہ سنت رسول ﷺ ہے.... کیسے میں اپنے اکلوتے بیٹے کو اس سنت کا قاتل ٹھہراؤں؟" علی کے والد نے تھوڑا سا آواز کو بلند کرتے ہوئے کہا،اس کے ساتھ انہوں نے یہ شعر بھی سنایا:

میں خود غرض نہیں میرے آنسو پرکھ کے دیکھ
فکر چمن ہے مجھ کو غم آشیاں نہیں

علی کی والدہ نے پھر علی کے والد پر ان الفاظ کا حملہ کرتے ہوئے کہا:

آپ نے کون سا جوانی چڑھتے ہی داڑھی کو چہرے پر سجا لیا تھا....اب بوڑھے ہوئے ہیں تو رکھ لی ہے داڑھی"

علی کی والدہ نے انگریزی زبان میں ایم اے کیا ہوا تھا مگر اسلامی تعلیم میں پرائمری پاس بھی نہیں تھیں۔لہٰذا دین سے دوری کی وجہ سے اس سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر الفاظ کے ذریعے حملہ کر رہی تھیں۔جب یہ الفاظ علی کے والد کے پردہ سماعت سے ٹکرائے تو ان کی زبان سے بے ساختہ اکبر الہ آبادی کا شعر نکلا:

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرالیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

"بس اس وقت مجھے کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ داڑھی کٹوانا سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کا قتل ہے۔لیکن اب اللہ کی توفیق سے دینی علوم میں قابلیت حاصل کر کے اس قتل سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر چکا ہوں" علی کے والد نے کہا

"میں نے بھی انگریزی زبان میں قابلیت حاصل کی ہے۔"اس پر علی کی والدہ نے کہا

علی کے والد نے جواباً اکبر الہ آبادی کا یہ شعر سنایا:

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

اس پر علی کی والدہ نے کہا:

"کیا آپ مجھے داڑھی کے بارے قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ بتائیں گے؟"

"کیوں نہیں" علی کے والد نے کہا

"پوچھو سوال!"

"کیا داڑھی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے؟" علی کی والدہ نے کہا

"جی بالکل...!جیسا کہ ہارون علیہ السلام بارے میں سورۃ طٰہٰ میں آتا ہے،جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا تو اپنے

بھائی کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ لیے۔ ہارون علیہ السلام نے عرض کی:

''لا تاخذ بلحیتی و لا براسی''

ترجمہ: مجھے میری داڑھی اور سر سے مت پکڑیے!

اس آیت بالا سے پتا چلتا ہے کہ ہارون علیہ السلام کی داڑھی مبارک بھی تھی۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے در منثور میں نقل کیا ہے۔ ہمیں سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی کا حکم بھی دیا گیا۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: یہی (انبیاء) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، لہٰذا تو ان کی پیروی کر!

یہ سنتے ہی علی کی والدہ نے کہا:

''جیسے ہم عید الاضحیٰ پر حضرت ابراہیم کی سنت کو زندہ کرتے ہیں......''

''جی بالکل...'' علی کے والد نے کہا

علی کی والدہ نے ان سے اگلا سوال کیا

''کیا داڑھی رکھنا سنت محمدیہ ہے؟''

''جی ہاں...! داڑھی رکھنا صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی کا طریقہ نہیں بلکہ یہ سنت محمدیہ بھی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں در منثور جلد اول میں آتا ہے:

''آپ ﷺ بھاری داڑھی والے تھے۔''

اس پر علی کی والدہ نے علی کے والد کی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جیسے آپ کی داڑھی بھاری ہے اور آپ سنت محمدیہ پر عمل پیرا ہیں''

''جی ہاں....! الحمد للہ اور جو شخص داڑھی رکھتا ہے وہ سنت محمدیہ کو سینے سے لگاتا ہے اور اس حقیقی محبت کا ثبوت دیتا ہے۔ جو محبت اس کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنا دیتی ہے۔ کیوں کہ اس نے داڑھی رکھنے میں رسول ﷺ کی پیروی کی ہے۔ جیسا کہ سورت آل عمران میں ارشاد ربانی ہے:

''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ''

ترجمہ: (اے نبی!) کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اور محض محبت ہی نہیں کرے گا بلکہ

''ویغفر لکم ذنوبکم''

ترجمہ: وہ تمہارے گناہوں کو بھی معاف دے گا۔

یہ سننے کے بعد علی کی والدہ کے چہرے پر مسکراہٹ نے استقبال کیا اور بے ساختہ ''سبحان اللہ'' ادا ہو گیا۔ اور ساتھ یہ کہا اللہ تعالیٰ کی محبت اور گناہوں کی معافی کا سرٹیفکیٹ مل رہا ہے۔ پھر تو داڑھی والا خوش نصیب ہے۔ علی کے والد نے پھر الحمد للہ کہا اور ساتھ کہنے لگے۔

''علی کی والدہ محترمہ! داڑھی تو فطرت میں بھی شامل ہے۔''

”وہ کیسے؟ بتائیں گے؟“علی کی والدہ نے کہا۔

”کیوں نہیں...لو پھر سنو!

صحیح مسلم کی روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فطرت کی دس چیزیں ہیں جن میں مونچھیں کٹوانا اور داڑھی کو معاف کرنا ہے۔“

”کیا داڑھی کے متعلق اور بھی روایات موجود ہیں؟“علی کی والدہ نے کہا۔

”جی ہاں..!“علی کے والد نے کہا۔

”ان میں سے کوئی ایک روایت سنا دیں“ علی کی والدہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے،لو سنو!“علی کے والد نے کہا۔

جیسا کہ بخاری شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”داڑھیوں کو معاف کرو!“

”اچھا...! مجھے تو لگتا ہے کہ داڑھی نا رکھنے والا یعنی سنت رسول کا قاتل تو نافرمان قرار پاتا ہوگا۔“

”جی ہاں..! داڑھی مونڈنے والا نافرمان قرار پاتا ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔“

یہ ارشاد ربانی جب علی کی والدہ کے پردۂ سماعت سے ٹکرایا تو ان کے رخسار پر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ساتھ ہی علی کی والدہ نے داڑھی کے متعلق غلط الفاظ استعمال کرنے پر توبہ کی اور کہا کہ علی کے ابو! آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے مجھے داڑھی کے متعلق آگاہی فراہم کی...یقیناً آپ میری سوچ بدلنے والے استاد ثابت ہوئے ہیں۔

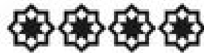
”کوئی بات نہیں.. مجھے خوشی ہے کہ داڑھی والے لوگ آپ کی نظر میں خوش نصیب ہیں“ علی کے والد محترم نے کہا

”اچھا چلیں! اب علی کو یہ سب باتیں بتاتے ہیں کہیں دیر نا ہو جائے...“علی کی والدہ نے کہا

علی کے والد کھڑے ہوئے اور اپنے دونوں پاؤں کو حرکت دیتے ہوئے یہ الفاظ علی کی والدہ کو کہتے ہوئے علی کے کمرے جانب بڑھ رہے تھے۔

علی کو داڑھی رکھوا کر ”اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول“ کا ہار گلے میں ڈالیں گے اور ”فقد فاز فوزا عظیما“ بڑی کامیابی سے ہمکنار ہونے کی ترغیب دلائیں گے اور ہمیں رسول ﷺ کی سیرت سے یہی پیغام ملتا ہے کہ ہم داڑھی کو چہرے پر سجائیں گے۔“

”ان شاء اللہ...“یہ الفاظ کہتے ہوئے علی کی والدہ بھی کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔





بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد

"میں دیکھ رہا ہوں کہ جنگلستان اور پرندستان کے سارے چرند، پرند اور درند سخت سست، کاہل اور آرام پسند ہوتے جا رہے ہیں، دن چڑھے پڑے سوئے رہتے ہیں۔ انہیں چست اور توانا کرنے کے لیے ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔ کیا خیال ہے؟ دانا ہدہد نے گہری فکر میں ڈوبے لہجے میں کہا تو اُلو اپنی گول گول آنکھیں گھماتے ہوئے بولا:

"بھئی مجھے تو معاف کریں میں تو رات کا اُلو ہوں۔ دن میں مجھے کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا۔ کروں گا کیا خاک؟"

بھالو نے اپنا بڑا سا منہ پھاڑ کر جمائی لیتے ہوئے انتہائی سستی سے کہا: نہ بھئی نہ، مجھے تو اپنی نیند بہت عزیز ہے۔ صبح شام کون کھانے کے پیچھے بھاگ دوڑ کرے، جو مل جاتا ہے کھا لیتا ہوں۔"

بھالو نے درختوں پر لٹکتے شہد کے چھتوں کو للچائی نظروں سے دیکھا۔ پرندستان سے جنگلستان یہاں سے وہاں تک رزق کی فراوانی تھی، خوشحالی تھی۔ جب بنا ہاتھ پیر چلائے پیٹ بھر کر ملے کھانے کو تو کون جائے کمانے کو۔ درخت کے نیچے بیٹھا ہوا کاہل پانڈا کھی کھی کر کے ہنسنے لگا۔

"بلاشبہ صبح خیزی بہت اچھی عادت ہے۔" تالاب کے کنارے ایک ٹانگ پر کھڑے لمبے لم ڈھینگ نے مدبرانہ انداز میں کہا تو اُلو نے ہاں میں سر ہلایا۔

پانڈا فوراً منہ بناتے ہوئے بولا: واہ اُلو میاں خوب! تم خود تو دن بھر سوتے رہتے ہو اور"

خرگوش فوراً سے پانڈے کی بات اُچکتے بولا: "اسے کہتے ہیں دوسروں کو نصیحت خود



میاں فضیحت۔"

سارے چرند پرند خرگوش کی بات پر ہنسنے لگے تو درخت کی شاخ پر بیٹھے اُلو میاں نے دھیمی آواز میں کہا:

چلو میں تو دن بھر سوتا رہتا ہوں مگر تم لوگ تو دن رات بس سوتے ہی رہتے ہو۔"

سب نے اُلو کی بات پر اسے گھور کر دیکھا۔

بھاری بھرکم گینڈے نے مایوسی سے اپنا بڑا سا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا:

"بھئی ہم تو ہلنے جلنے کے قابل نہیں ہیں ہرگز توقع نہ رکھو ہم سے نہ ہو سکے گا کام کاج۔"

زرافہ اپنی لمبی گردن دانا ہدہد کے قریب لایا اور لمبی لمبی ٹانگیں ہلاتے ہوئے بولا:

"بھائیو! سچ تو یہ ہے کہ ہدہد کو ہمارا آرام کرنا سخت ناگوار گزرتا ہے، اب ہم تمہاری طرح پُھر رر سے اُڑ تو نہیں سکتے۔"

زرافے کے اس طرح گردن قریب لاتے ہی ہدہد بس پھڑ پھڑا کر رہ گیا تھا۔ شرارتی بندر زور زور سے آووو کی آوازیں نکالتے ہوئے درختوں پر لٹکتے ہوئے زمین پر اُچھل کود کرتے ہوئے ہدہد کو چڑانے لگے۔ ہاتھی راجا ان کاہلوں کے مزاج کا نہیں تھا سو وہ یہ منظر دیکھ کر سخت بد دل ہوا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ مگر ہدہد کو تو جیسے چپ لگ گئی تھی اور یہ بات سب سے پہلے بی فاختہ نے محسوس کرلی۔

فاختہ چپکے سے اُڑی اور پرندستان کے سب سے بڑے درخت کے پاس جا پہنچی۔ درخت کی سب سے اونچی شاخ پر شہباز بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عقابی نگاہوں نے اُڑتی ہوئی فاختہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر دور سے ہی بھانپ لیا تھا۔ شہباز نے اُڑان بھری اور پرواز کرتا ہوا تیزی سے نیچے آیا۔ ابھی تک وہ فضا میں معلق تھا جب ہانپتی کانپتی فاختہ اس کے قریب پہنچی:

"اے پرندوں کے بادشاہ! آداب"

"آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں"

شہباز نے اپنے بڑے بڑے پر پھڑ پھڑائے اور درخت کی مضبوط شاخ پر جا بیٹھا۔ فاختہ اس کے سامنے آبیٹھی۔ ننھی فاختہ گھبرائی ہوئی اور سخت فکرمند دکھائی دے رہی تھی۔

"اپنا مدعا بیان کرو فاختہ!"

"بادشاہ سلامت! پرندستان میں عجیب ہوا چلی ہے۔ سارے پرندے سست و کاہل اور ناکارہ ہوگئے ہیں۔ سارا سارا دن پڑے اونگھتے رہتے ہیں۔ راتوں کو لمبی تان کر سوتے رہتے ہیں۔ جو دانا دنکا میسر ہے بس اسے کھالیتے ہیں۔" فاختہ دکھ اور فکر سے بتاتے ہوئے بہت اداس ہوگئی تھی۔

"ھممم مم"

شہباز نے ہنکارا بھرا۔ تو فاختہ اپنی چونچ درخت کی شاخ پر رگڑتے ہوئے بولی:

"وہ سب محنت سے جی چرانے لگے ہیں، سمجھاؤ تو لاپروائی سے کہتے ہیں کہ ہمارا پرندستان خزانے سے مالا مال ہے۔ ہمیں کما کر کھانے اور محنت مزدوری کرنے کی کیا ضرورت؟"

شہباز کی آنکھیں غصے سے لال ہوگئیں وہ تیز آواز میں بولا: افسوس! نادان یہ نہیں جانتے کہ یوں بے دریغ خرچ کرنے سے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہوجائے گا۔"

"بادشاہ سلامت کچھ تو حل سوچنا ہوگا۔" فاختہ نے فکرمندی سے کہا تو گہری سوچ میں ڈوبے شہباز نے گہری خاموشی اختیار کر لی۔ شہباز کی خاموشی فاختہ کو بہت کھلی مگر وہ کچھ نہ بولی اور چپ چاپ وہاں سے چلی آئی تھی۔

دانا ہدہد کی نصیحتوں پر کسی نے کان نہ دھرے۔ وہ پرندستان اور جنگلستان کی نعمتیں جی بھر کر اُڑاتے، خوب موج مستی کرتے اور دن چڑھے گھوڑے گدھے بیچ کر پڑے سوئے رہتے اور پھر وہی ہوا جس کا شہباز کو خدشہ تھا۔

٭٭٭

جنگلستان کے باسیوں کو خوابِ خرگوش میں پا کر ان غفلت میں پڑے چرندوں اور پرندوں پر خونی درندے جو نجانے کب سے ان پر گھات لگائے بیٹھے تھے۔ شیر کے ساتھ ساتھ لگڑبھگوں، گیدڑوں اور جنگلی کتوں نے جنگلستان و پرندستان کے مکینوں پر دھاوا بول دیا۔ اس حملے سے جنگلستان و پرندستان کی املاک کو بری طرح نقصان پہنچا۔ نیلے شفاف پانی کا بہتا چشمہ، سرسبز و شاداب میدان، سب کچھ آن کی آن تباہ و برباد کر دیا گیا۔ پھلوں سے لدے درخت، درختوں کی شاخوں پہ لٹکتی پھلوں کی ڈالیاں سب روند ڈالی گئیں۔ گھنے پیڑوں کے مکیں اس شور شرابے سے تھر تھر کانپتے ہوئے مجبوراً اپنا ٹھکانہ چھوڑ گئے۔ اس شدید حملے نے جنگلستان و پرندستان کی رونقیں، خوشحالی، امن و امان سکون سب تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ طاقتور چست درندوں نے سست و کاہل چرندوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ وہ پیپل کی گھنی چھاؤں جہاں سب بیٹھ کر خوش گپیاں مارا کرتے تھے اب اُجڑ گیا تھا۔ نیلے پانی کے چشمے کا رنگ گدلا اور بدبودار ہوگیا تھا۔ درندے سب کچھ برباد کر کے چلے گئے۔ اب یہاں کچھ بھی کھانے پینے کے لیے باقی نہیں بچا تھا۔ وہ دانے دانے کو محتاج ہوگئے تھے۔ ہر ایک دوسرے کو کوس رہا تھا۔ اتنا کچھ کھونے کے بعد وہ ابھی بھی ہوش میں نہیں آئے تھے۔ رات ہو چکی تھی لٹے پٹے چرند پرند بھوکے پیاسے سو گئے۔

٭٭٭

ابھی سورج دھیرے دھیرے پہاڑوں کے پیچھے سے نمودار ہوا تھا جب فضا میں کانوں کو پھاڑ ڈالنے والی ایک تیز آواز گونجی۔ اس آواز سے گھبرا کر سب اونگھتے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ یہ کیسی

آواز ہے؟ پھر کوئی نیا حملہ ۔۔۔نہیں، نہیں۔اس خوف نے ان سب کو مکمل طور پر بیدار کر دیا تھا آنکھیں کھلتے ہی انہیں بھوک برے طرح ستانے لگی تھی۔

مگر یہ کیا ان کی آنکھیں عجب ہی منظر دیکھ رہی تھیں۔

دانا ہدہد اور بی فاختہ اپنی چونچوں میں دانا دنکا دبا لائے تھے اور ٹوٹی شاخوں پہ بیٹھے اپنے بچوں کے ساتھ چگ رہے تھے۔ ہاتھی راجا اپنی سونڈ میں گنا دبائے مزے سے چوس رہا تھا۔جبکہ شہباز اونچی شاخ پر بیٹھا اپنے پنجوں میں دبائے شکار کو نوچ کر کھانے میں مصروف تھا۔ یہ کیا انہیں کسی نے پوچھنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی۔ دکھ، صدمے اور بھوک سے نڈھال ہوتے بھالو نے شکوہ کیا تو شہباز نے بے نیازی سے کہا:

"خود محنت کرو اور کھاؤ۔"

چارو ناچار بھوک سے بے حال ہوتے بھالو، بندروں زرافے وغیرہ کو کھانا تلاش کرنے کے لیے ہلنا ہی پڑا۔تب انہیں اندازہ ہوا کہ انہوں نے سستی، کام چوری، کاہلی اور غفلت میں پڑ کر کتنی نعمتیں گنوا دی تھیں۔خیر

دیر آید درست آید

اتنا کچھ ہونے کے بعد شکر ہے کہ وہ عبرت حاصل کر چکے تھے۔

علم اور عمل کا فرق

رئیس احمد

علم اور عمل میں فرق ہوتا ہے. جیسے آپ کا سامنا کسی چیتے سے ہو جائے تو ایک ہی عمل آپ کا دماغ آپ کو بتائے گا. دوڑ لگا کر جان بچاؤ لیکن علم بتاتا ہے یہ ریس آپ کبھی جیت نہیں سکتے. کیونکہ انسان زمین پر پورا پاوں رکھتا ہے اور چلنے کیلئے پورا پاوں اٹھاتا ہے. جبکہ چیتا پیر کی انگلیاں کے بل دوڑتا ہے. آپ چیتے سے تیز دوڑ نہیں سکتے تو بہتر ہے بلکل خاموش کھڑے ہو جائیں. چیتا آپ کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر ممکن ہے چھوڑ دے۔

دوسری طرف آپ کھانا پکانے کی سیکڑوں کتابیں پڑھ کر دنیا کے مشہور شیف نہیں بن سکتے. آپ انجینئرنگ کی کتاب پڑھ کر اینٹوں سے سیدھی دیوار کھڑی نہیں کر سکتے. آپ بزنس ایڈمنسٹریشن کی کتابیں پڑھ کر کوئی کاروبار کھڑا نہیں کر سکتے. آپ کو عملی میدان میں عمل کو سیکھنا ہوتا ہے. شیف بننے کیلئے آپ کو باورچی خانہ میں وقت دینا ہوگا تو کاروبار کرنے کیلئے مارکیٹ میں نکلنا ہوگا۔

علم بنیادی طور پر اس مشین یعنی ہمارے جسم کی پروگرامنگ ہے جس کی ملکیت ہمیں اس دنیا میں دی گئی ہے. یہ پروگرام ہمارے شعور کو وقت اور حالات کے حساب سے اپ گریڈ رکھتا ہے. جتنا آپ کا شعور اپ گریڈ ہوگا اتنا ہی بہتر اس مشین کو استعمال کر سکیں گے. ایک کامیاب زندگی کیلئے آپ کو دونوں محاذوں پر پیش قدمی کرنی ہوتی ہے. اپنے عمل کے میدان کا جتنا زیادہ علم آپ کے پاس ہوگا اتنا ہی آپ کامیاب ہوں گے. کیونکہ آپ کو چیتے کی رفتار مل جائے گی۔

ایم تجمل بیگ

مان بنا سائنسدان

تو اپنے ہاتھوں میں مختلف برانڈ کے سگریٹ کی کافی زیادہ ڈبیوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا، اتنے میں گلی کے کونے سے مان صاب کا جگری دوست ''قمر عرف طوطا'' نمودار ہوا، مان کے ہاتھ بھرے ہوئے دیکھ کر کسی اچھی چیز کا گمان کیے اس کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

''ہیلو مان صاب!''

''کیا ہو رہا ہے اس گندگی میں؟''

''او طوطے بھائی! آپ کہاں سے برآمد ہوئے؟''

مان منہ پر تین جگہوں سے پھٹا ہوا ماسک لگائے، ننگے پاؤں قمیض کے دونوں پیراہن کو گرہ لگائے، شلوار کو نیچے سے فولڈ کیے ہوئے دو گھٹنوں سے کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں پر جھکے کسی چیز کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اب تک وہ گاؤں کے تین کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں کو اچھے سے کھنگال چکا تھا لیکن چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی تک مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

کچھ دیر بعد مان کمر پر ہاتھ رکھے سیدھا کھڑا ہوا

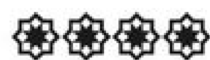
''بس ایسے ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا تجھے ادھر کھڑا دیکھا تو تیری طرف بڑھا چلا آیا۔ تم بتاؤ ان ڈبیوں کا کیا کرنا ہے کونسا نیا چاند چڑھانا ہے آج؟''

''بس کیا بتاؤں یار طوطے! آج میں ایک سائنسی تجربہ کرنے جا رہا ہوں دعاء کرنا کامیاب ہو جائے۔''

''کیسا سائنسی تجربہ مان صاب؟''

''یہ تو آنکھوں سے دیکھو گے تو ہی سمجھ آئے گا ایسے تو نہیں سمجھ سکتے تم۔''

''اب تم کہاں جاؤ گے؟''
''میں گھر ہی جاؤں گا اور وہیں تجربہ بھی کروں گا۔''
''گھر میں سائنس لیب بنا رکھی ہے کیا؟''
''نہیں تو''
''پھر یہ سائنسی تجربہ کیسے؟ کیونکر ممکن''
''یار! اس تجربے کے لیے ضرورت نہیں پڑے گی کسی لیب و یب کی''
''اچھا! اب زیادہ سوال نہ کرو مجھے جانا بھی ہے'' مان نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا
''اچھا! اچھا! ٹھیک ہے چلو میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں''
یہ کہہ کر طوطا مان کے ساتھ اس کے گھر کی جانب چل پڑا۔



''اماں! اماں! مجھے بیس 20 روپے چاہئیں''
مان نے گھر میں داخل ہوتے ہی چیخنا شروع کر دیا۔
''ابے! صبر کر آ رہی ہوں۔'' اماں نے بھی اندر سے ہانک لگائی اور کچھ ہی لمحوں بعد وہ ہاتھ میں کچھ پیسے پکڑے باہر آ گئیں۔
مان پر جو نظر پڑی فوراً غصے سے سرخ ہوتے ہوئے اماں نے کہا:
''یہ کیا حالت کر رکھی ہے تو نے اپنی اور کپڑوں کی'' اور دوبارہ تیزی سے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔
کچھ ہی سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا لیے دوبارہ نمودار ہوئیں اور آتے ہی مان کو پیٹنا شروع کر دیا۔
پہلا ڈنڈا مان صاب کی پیٹھ پر لگا تو مان صاب نے بلبلاتے ہوئے کہا:
''اماں بی! میرا قصور بھی تو بتلائیے ناں؟''
''قصور کے بچے تو نے کپڑوں کی کیا حالت بنا رکھی ہے ابھی صبح ہی تو استری شدہ کپڑے تجھے پہنائے ہیں، ہائے تو صبح کتنا پیارا لگ رہا تھا لیکن اب.....''
''اماں! بے فکر رہیں، ہیرا گندگی کے ڈھیر میں بھی چمکتا ہے'' مان صاب نے روتے روتے اپنی حیثیت ظاہر کی۔
''ہیرے کے بچے کپڑوں کی بات کر رہی ہوں تیری نہیں۔''
''اماں! میں کپڑے اپنے خود دھولوں گا بس آپ مجھے بیس روپے دے دیں؟''
''ابے! تجھے کیا ضرورت پڑ گئی ہے بیس روپے کی'' اماں نے ایک ڈنڈا کمر میں مارتے ہوئے کرخت لہجے میں پوچھا
''ہائے ے ے۔مر گیا ہائے...''
''وہ اماں! تیزاب لانا ہے'' مان نے کراہتے ہوئے جواب دیا

''او چغد! کیا خودکشی کا ارادہ رکھتا ہے تو؟''

''نہیں اماں بس تجربہ کرنا ہے؟''

''کیا کوئی مرنے کا بھی تجربہ کرتا ہے ناہنجار؟''

''اماں! پوری بات سنیے بھی تو....''

''ہاں بول!''

''وہ اماں دراصل ایک ''بم'' تیار کرنا ہے جس کے لیے تیزاب اشد ضروری ہے''

''ہائے! تو کیا تو دہشت گرد بننا چاہتا ہے نالائق؟''

''نہیں اماں! وہ وہ بس ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں''

''نہیں ہیں پیسے چل بھاگ!''

''اماں! پاؤں پکڑتا ہوں دے دے پیسے ورنہ میں اپنے ضمیر کو کیسے مطمئن کر پاؤں گا؟''

''ابے! تیرا بھی ضمیر ہے کیا؟'' اماں نے بالوں سے پکڑ کر اسے کھڑا کرتے ہوئے پوچھا

''ہیں ں ں اماں! وہ تو ہر بندے کا ہوتا ہے اسی کے ذریعے وہ ترقی کے منازل طے کرتا ہے اور یہی ضمیر اسے خسارے میں ڈال دیتا ہے'' اس نے درد سے کراہتے ہوئے جواب دیا

''تو اب مجھے فلسفہ پڑھائے گا کیا اتنا بڑا کب سے ہوگیا؟'' یہ کہتے ہوئے مزید ایک تھپڑ اس کے رخسار کو سرخ کر گیا

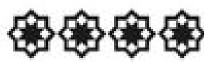
''اماں! بس کریں ناں اب پیسے دے دیجئے!''

''یہ لے پیسے اور نہا کر کپڑے تبدیل کر!'' جلدی اماں نے پیسے دیتے ہی حکم بھی صادر کر دیا

''مان! جلدی کر یار جلدی آجا!''

طوطا جو کافی دیر سے باہر کھڑا انتظار کر رہا تھا اس نے باہر سے ہی ہانک لگائی

''یہ الو کا بھتیجا! بھی تیرے ساتھ ہے اس کی بھی خبر لیتی ہوں تو رک ذرا!'' یہ کہہ کر اماں گیٹ کی جانب بڑھی ہی تھیں کہ مان بھاگ کر پہلے ہی گیٹ سے باہر نکل گیا اور طوطے کو ساتھ لیتا ہوا دکان کی جانب بڑھ گیا اور اماں ان دونوں کو برا بھلا کہتی ہوئی واپس پلٹ آئیں۔



مان اور طوطا چاچے چھیدے کی دکان پر پہنچے ہی تھے کہ ایک پتلی سی چھری ان کے جسموں کو چھو کر گزر گئی اور وہ آہ کر کے رہ گئے۔

''شیطانو! میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ میری دکان میں داخل نا ہونا تم پھر آگئے؟''

''وہ پیسے پیسے ہیں ہمارے پاس'' مان نے ہچکچاتے ہوئے کہا

''نکالو!''

مان نے 20 روپے نکال کر چاچے چھیدے کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

''کیا چاہیے ان بیس کا؟''

''وہ ایک تیزاب کی بوتل دے دیں!''

''مجھ پر پھینکنی ہے کیا؟'' چاچے چھیدے نے تعجب سے پوچھا

''چور کو اپنا پالا'' مان نے خاموشی سے کہا تو طوطا ہنس پڑا۔

''کیا کہا خبیث؟''

''نہیں نہیں کچھ نہیں بس آپ تیزاب دے دیجئے!''

تیزاب مل گیا اور مان طوطے کو ساتھ لیتا ہوا دوبارہ گھر کے باہر بنی سیمنٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ مان نے سب سے پہلے سگریٹ کی ڈبیوں سے سنہری کاغذوں کو نکالا اور پھر باری باری ان کو آگ لگانے لگا، کاغذ جلتا جاتا لیکن اس کی راکھ نہ بنتی بلکہ کاغذ ہی رہتا، طوطا بیٹھا تعجب سے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ جب سب کو جلا چکا تو اس نے ان جلے ہوئے کاغذوں کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں اور ایک خالی بوتل میں ڈالتا گیا۔

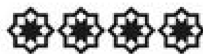
تیس سے چالیس گولیاں جب ہوگئیں تو اس نے مسکرا کر طوطے کی جانب دیکھا اس کو دیکھ کر طوطے نے بھی ہونٹوں کا پردہ ہٹا کر اپنے پیلے پیلے دانت سامنے کر دیئے۔

ہنسی کے تبادلے کے بعد مان نے جس بوتل میں کاغذ کی جلی ہوئی گولیاں ڈالی تھیں اس میں تیزاب کی آدھی بوتل اُلٹ دی اور مضبوطی سے اس کا ڈھکنا بند کر کے اسے زور زور سے ہلانے لگا، ایک ڈیڑھ منٹ تک اسے ہلاتا رہا اور پھر انہیں سیڑھیوں پر رکھ کر طوطے کو ساتھ لیتا ہوا دور جا کھڑا ہوا اور بوتل کو دیکھنے لگا۔

بیس پچیس سیکنڈ بعد بوتل آہستہ آہستہ پھولنے لگی اور مان کو اپنا پہلا سائنسی تجربہ کامیاب ہوتا دکھائی دینے لگا۔

تقریباً دو منٹ بعد ڈیڑھ لیٹر والی بوتل پھول کر دس لیٹر کے برابر ہوگئی اور پھر ایک دم پھٹ گئی، ایک زوردار دھماکہ ہوا، ان دونوں کے کان بند ہوگئے لیکن مان کے چہرے پر بدستور مسکراہٹ موجود تھی اور وہ خود کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان سمجھ رہا تھا اور سوچتے سوچتے خود کو چاغی کے مقام پر متعدد سائنسدانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے پا رہا تھا، جاگتے میں خواب دیکھنے والا سلسلہ نا جانے کب تک قائم رہتا کہ کسی نے اس کی کمر پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔

''آہ مر گیا'' یہ کہتے ہوئے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو محلے کے سبھی لوگ اسے گھورتے جا رہے تھے اور ایک اس کے سر کے عین اوپر کھڑا تھا اور اسی نے ہی اسے تھپڑ مارا تھا، اس سے پہلے کہ اس کو مزید پیٹا جاتا اس نے یکلخت بھاگنا شروع کر دیا، طوطے نے بھی بھاگنے میں اس کا بھرپور ساتھ دیا اور وہ بمشکل تجربے کے بعد اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔



کایا پلٹ

محمد زبیر زائر

دسترخوان پر عافیہ نے جیسے ہی عمر مصطفیٰ کی طرف دیکھا، اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ وہ حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھی اور پھر اگلا منظر اس سے بھی زیادہ عجیب تھا۔ اب عافیہ کی حیرت آسمان کو چھو رہی تھی۔ اس منظر نے بے اختیار اسے دس سال پیچھے پہنچا دیا۔

’’عافی! آج میں کھانا نہیں کھاؤں گا‘‘ عمر مصطفیٰ نے کہا تھا

’’میرے ویر! آج کھالو! آئندہ میں خیال رکھوں گی اور کدو نہیں پکاؤں گی‘‘ عافیہ نے چھوٹے بھائی کو بہلایا

’’نہیں، پہلے بھی تم یہی کہتی تھی‘‘ اس نے روہانسا ہو کر کہا

’’دیکھو عمر! کدو کے فوائد کا تم کو پتا ہے؟‘‘ عافیہ مسکرائی

’’میں کسی فائدے کو نہیں مانتا‘‘ عمر مصطفیٰ چلایا

’’میں نے کل ہی روزنامہ جنگ (15 اگست 2021ء) میں پڑھا ہے کہ کدو وٹامن سے بھرپور ہوتا ہے، گرمی کی شدت سے بچاتا ہے، منرلز کا مجموعہ بھی ہے، کولیسٹرول لیول، شوگر لیول اور بلڈ پریشر کو متوازن رکھتا ہے۔ وٹامن سی، اے، کے، ای، آئرن فولک ایسڈ، پوٹاشیم اور میگنیشیم حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ قبض اور ڈائریا سے نجات دلاتا ہے۔ اگر ہر کھانے کے ساتھ سلاد کے طور پر استعمال کیا جائے تو سینے کی جلن اور تیزابیت دور ہوتی ہے۔ نظام ہاضمہ کو بہتر کرتا ہے، اس میں 92 فی صد پانی اور صفر کیلوریز پائی جاتی ہیں اور.....‘‘

وہ بولتی جا رہی تھی کہ عمر مصطفیٰ نے اس کی بات



کاٹتے ہوئے کہا:
''بس! اب لیکچر بند کرو اور کوئی اور چیز بنالاؤ! مجھے آپ کا لیکچر متاثر نہیں کرسکا''
''کمبخت'' عافیہ نے غصے سے کہا اور پیر پٹختی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔
عافیہ اور عمر مصطفیٰ دونوں بہن بھائی اپنے والد غلام مصطفیٰ کے ساتھ 295 ای بی میں رہتے تھے۔ ان کی والدہ ان کے بڑے بھائی احمر مصطفیٰ کے ساتھ شہر میں رہتی تھی۔ عمر مصطفیٰ میٹرک میں جبکہ عافیہ یونی ورسٹی میں پڑھتی تھی۔ دونوں ایک ہی بائیک پر پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ عمر مصطفیٰ اسے چھوڑ کر اپنے سکول چلا جاتا۔ یوں دونوں ہنسی خوشی رہتے تھے۔ عافیہ کو کدو بہت پسند تھا جبکہ عمر مصطفیٰ کدو کے نام سے بھی چڑتا تھا۔
آج بھی یہی ہوا کہ عافیہ نے کدو پکائے، جس کی وجہ سے عمر مصطفیٰ کا منہ بن گیا۔ پوری کوشش کے باوجود اسے کدو کھانے پر راضی نہ کرسکی۔ آخر اسے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے، اس نے عمر مصطفیٰ کے لیے انڈا تل دیا۔ اس کے بعد یہی معمول بن گیا کہ جب بھی وہ کدو پکاتی تو عمر مصطفیٰ کے لیے الگ سے کوئی چیز بنالیتی۔
بی ایس سی ایس کے دوران ہی عافیہ کی اپنے کزن مزمل سے منگنی ہوگئی تھی۔ وہ امریکہ میں رہائش پذیر تھا۔ جیسے ہی عافیہ نے بی ایس سی ایس مکمل کیا۔ اس کی شادی ہوگئی اور وہ امریکہ چلی آئی۔ دوسری طرف عمر مصطفیٰ کو انٹرمیڈیٹ (12 ویں) کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے سعودی عرب بھیج دیا گیا۔ وہاں مدینہ یونی ورسٹی میں اس کا داخلہ ہوگیا۔
یوں عافیہ اور عمر مصطفیٰ اس طرح بچھڑے کہ ملے بغیر کئی برس بیت گئے۔ سات سال بعد آج پھر دونوں ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے تھے اور عافیہ نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا، جس نے اسے ماضی میں دھکیل دیا۔ عافیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیسی عجیب دنیا ہے کہ ہر وقت اٹھکیلیاں کرنے والے بھی بچھڑ جاتے ہیں۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ خود سے زیادہ بہنوں کا خیال رکھنے والے بھائی بھی برسوں کے لیے مل نہ سکیں گے۔
''عافی! رو کیوں رہی ہو؟'' عمر مصطفیٰ کے کہنے پر وہ چونکی
''کچھ بھی نہیں، بس آنکھ سے پانی نکل رہا ہے۔'' اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا
وہ حال میں لوٹ چکی تھی۔ پھر سے وہ اُس حیرت ناک منظر میں محو ہوگئی، جس نے اسے ماضی میں پہنچادیا تھا۔ آخر وہ چپ نہ رہ سکی اور بول اٹھی:
''عمر! یہ کایا کیسے پلٹ گئی؟''
''کیا مطلب؟'' عمر مصطفیٰ نے حیرانی سے کہا
''جب میں کدو پکاتی تھی تو اس وقت منہ بن

جاتا تھا اور آج میں نے حیرت ناک منظر دیکھا کہ کئی ڈشز کی موجودگی میں تم نے سب سے پہلے اپنی پلیٹ میں کدو نکالا۔ پھر اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ بڑے شوق سے چُن چُن کر کدو کھا رہے تھے۔''

''عافی! کیا تم یہ بات بھول گئی کہ میں ان کے شہر سے ہو کر آیا ہوں، جنہوں نے پتھروں کو بھی کلمہ پڑھا دیا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے بیٹی کو زندہ درگور کرنے والے سنگدلوں کو موم کی طرح نرم کر دیا۔ عرب کے گنواروں اور جھگڑالو لوگوں کی کایا پلٹ دی تھی۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ایک دوسرے کے جانثار بنا دیئے۔ میری کیا مجال تھی جو نہ سدھرتا؟'' عمر مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا

''پھر بھی...؟ کچھ تو بتاؤ!'' عافیہ متجسس ہو چکی تھی اور سبھی افراد ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''میں مسجد نبوی میں روزانہ ایک درس میں شریک ہوتا تھا۔ جس میں ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی گئی:

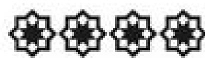
ترجمہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک درزی غلام کے پاس تشریف لے گئے، پھر آپ ﷺ کی خدمت میں (پکا ہوا) کدو پیش کیا گیا اور آپ ﷺ اسے (رغبت کے ساتھ) کھانے لگے۔ اسی وقت سے میں بھی کدو پسند کرتا ہوں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کو اسے میں نے کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

پتا نہیں بیان کرنے والے کا اخلاص تھا یا والیٔ مدینہ ﷺ کے قرب کی برکت تھی کہ اس وقت سے میں کدو کا دیوانہ ہو گیا ہوں۔ جس عمر کو عافی برسوں میں سدھار نہ سکی وہ صرف ایک لمحے میں سدھر گیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اُس دربار میں تو سر لینے کے لیے تلوار لے کر آنے والا عمر بھی قدموں میں سر رکھ دیتا ہے اور فاروق بن جاتا ہے۔''

اب، عمر مصطفیٰ کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں ساری جس نے ہلا دی



تین اہم عمل

تین عبادتیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان پر دوام اختیار کرو تو تمہاری زندگی میں حیران کن حد تک تبدیلی ہو!

پہلی: استغفار

دوسری: صبح شام کے اذکار

تیسری: روزانہ حسب استطاعت کچھ نہ کچھ صدقہ دینا۔

زوجہ محمد عباس

اَضْحَکَ اللہُ سِنَّکَ



عبداللہ جان مہمند

''ہنسا مسکرانا'' فطرت اِنسانی کا لازمہ اور انسانی زندگی کی ضرورت ہے، نیز دل میں پیدا ہونے والی خوشی کو چہرے پر ظاہر کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ ہر شخص اپنی زندگی میں ہنسا مسکرانا چاہتا ہے۔ شریعت مطہرہ نے بھی اس کی مکمل اجازت دے رکھی ہے، لیکن ساتھ ساتھ ''آداب'' بھی متعین فرما دیئے جو یقیناً آپ کو معلوم ہوں گے (تمہید طویل ہو جانے کے خوف سے یہاں اُن کا ذکر نہیں کیا جارہا)

اپنے قارئین کو محظوظ کرنے کے لیے مختلف رسائل میں ''مسکرائیے'' ''قہقہہ نہیں مسکراہٹ'' ''مسکراہٹ کے پھول'' اور اس طرح کے دیگر کئی ناموں سے ایک سلسلہ ہوتا ہے جس کے تحت لطائف شائع ہوتے ہیں۔ ہمارے پیارے رسالے ''مسلمان بچے'' میں بھی ''مسکرائیے'' کے نام سے یہ سلسلہ تھا لیکن شاید کچھ عرصہ غیر حاضر رہنے کی وجہ سے ہماری اس پر نظر نہیں پڑی یا پھر یہ سلسلہ بند کر دیا گیا ہے، غالب گمان یہی ہے کہ بند کر دیا گیا ہوگا۔ کیونکہ بعض دوسرے دینی رسائل میں بھی اب اس طرح کے سلسلے نظر نہیں آتے، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ لوگ لطیفوں کے ''آداب'' بھول گئے ہیں، دوسری اقوام کا مذاق، استہزاء اور جھوٹ اب لطیفوں کی شکل میں شائع کرنا دینی رسائل کے لیے ممکن نہیں رہا لیکن کوشش کی جائے تو اب بھی اپنے قارئین کو مسکرانے کا ''موقع'' دیا جا سکتا ہے۔

ہماری پہلی تحریر ''مسکراہٹ کے پھول'' اس سلسلے کی پہلی کوشش تھی۔ اس تحریر میں موجود ''مستند لطیفے'' پڑھ کر یقیناً آپ محظوظ ہوئے ہوں گے۔

زیر نظر تحریر بھی اسی سلسلے کی دوسری کڑی ہے، آنے والی سطور میں نقل کیے گئے ''مستند شگوفے'' آپ کو مسکرانے پر مجبور کر دیں گے اور آپ کی اس مسکراہٹ کے جواب میں ہم آپ کو پیشگی دعاء دیتے ہیں:

''اَضْحَکَ اللہُ سِنَّکَ''

شاعروں اور ادیبوں کے لطائف

جان پہچان

ہری پور ہزارہ میں قتیل شفائی اور ان کے دوستوں نے 1939ء میں ڈاکٹر اقبال کی پہلی برسی کے سلسلے میں مشاعرے کا اہتمام کیا، چندہ اکٹھا کرنے کے سلسلے میں جب ایک دکان دار کو

انہوں نے بتایا کہ ''ڈاکٹر اقبال کی برسی کے سلسلے میں یہ مشاعرہ ہو رہا ہے'' تو اس نے آب دیدہ ہو کر پوچھا:

''کیا سچ مچ ڈاکٹر اقبال وفات پا گئے ہیں؟''

اس پر قتیل شفائی نے حیران ہو کر پوچھا:

''کیا آپ انہیں جانتے تھے؟''

اس پر انہوں نے فرمایا:

''کیوں نہیں، ابھی دو سال پہلے میری بھینس بیمار ہو گئی تھی، انہوں نے بڑی توجہ سے اس کا علاج کیا تھا''

اپنا گھر

جگن ناتھ آزاد اٹلانٹا گئے تو چائے دیتے ہوئے میزبان نے پوچھا:

''آزاد صاحب چینی کتنی لیں گے؟''

جواب دیا:

''اپنے گھر تو ایک ہی چمچ لیتا ہوں لیکن باہر چائے پینے پر دو تین چمچ سے کم چینی نہیں لیتا''

اس پر میزبان نے ایک چمچ چینی ان کی چائے میں ڈالتے ہوئے کہا:

''آزاد صاحب! اسے اپنا ہی گھر سمجھئے''

جان بچی سو لاکھوں پائے

مجید لاہوری مرحوم بہت موٹے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ ہوا۔ رشید اختر ندوی اور وہ ایک سائیکل رکشہ پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے۔ ایک تو مجید لاہوری بذات خود گوشت پوست کا پہاڑ تھے دوسرا رشید اختر ندوی بھی ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ بیچارہ رکشہ والا رکشہ کھینچتے کھینچتے تھک گیا اور ہانپنے لگ گیا۔ راستے میں ایک جگہ مجید نے رکشہ رکوایا اور اتر کر پان لینے لگ گئے۔ رشید اختر کو نہ جانے کیا سوجھی وہ بھی رکشہ سے اتر کر ٹہلنے لگے۔ رکشہ والے نے یہ موقع غنیمت جانا، پیڈل پر جلدی سے پاؤں مارا اور یہ جا، وہ جا، مجید نے اسے فرار ہوتے دیکھا تو پکار کر کہا:

''ارے بھائی کہاں جا رہے ہو، اپنے پیسے تو لیتے جاؤ''

اس پر رکشہ والے نے پیچھے دیکھے بغیر کہا:

''صاحب! اگر زندگی رہی تو کہیں اور سے کما لوں گا''

متوجہ رہیں

بعض فقہاء (غالباً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ:

''جب میں اپنے کپڑے اتار کر اور نہر میں داخل ہو کر غسل کروں تو قبلہ کی طرف منہ کروں یا کسی دوسری طرف؟''

انہوں نے جواب دیا:

''اپنے کپڑوں کی طرف توجہ کرو جو تم نے اتار کر کنارے پر رکھے ہیں کہ کوئی انہیں لیکر

بھاگ نہ جائے“

بکری یا بیوی

دو آدمی ایک بکری کے بارے میں جھگڑ رہے تھے دونوں نے اس کا ایک ایک کان پکڑ رکھا تھا اور ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ بکری اس کی ہے۔اس دوران وہاں ایک شخص آگیا۔

دونوں نے اس سے کہا:

”ہمارے درمیان فیصلہ کردو اور تم جو فیصلہ بھی کروگے ہمیں منظور ہوگا“۔

اس نے کہا:

”اگر ایسا ہی ہے یعنی تم میرے فیصلہ پر راضی رہو گے تو تم میں سے ہر ایک یہ حلف کرے کہ اگر وہ میرا فیصلہ نہیں مانے گا تو اس کی بیوی پر طلاق ہے“

چنانچہ دونوں نے ایسا حلف کرلیا۔پھر اس شخص نے کہا:

”اب بکری کے کان چھوڑ دو!“

انہوں نے چھوڑ دیئے۔

اب اس نے بکری کا کان پکڑا اور اسے لے کر چلتا بنا (کہ یہی اس کا فیصلہ تھا) دونوں بے بسی سے اس چالاک شخص کو دیکھتے ہی رہ گئے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکے، جانتے تھے کہ احتجاج کی صورت میں ''بکری کے ساتھ بیوی'' بھی جائے گی۔

مجنون

ایک شخص نے ابوالوفاء ابن عقیل سے آ کر کہا:”میں جب بھی نہر میں خواہ دوغوطے لگاؤں خواہ تین مجھے یہ یقین نہیں ہوتا کہ پانی میرے سر سے اوپر ہوگیا ہے اور میں پاک ہوگیا ہوں،اب میں کیا کروں؟“

انہوں نے جواب دیا:

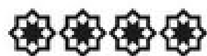
”نماز پڑھنا چھوڑ دے“

آپ سے پوچھا گیا یہ آپ نے کیونکر فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا:

”اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین اشخاص سے کوئی باز پرس نہیں ہے، بچے سے جب تک بالغ نہ ہوجائے،سونے والے سے جب تک جاگ نہ جائے، مجنون سے جب تک ہوش میں نہ آجائے۔

اب بتاؤ جو شخص نہر میں تین تین مرتبہ غوطے لگانے کے بعد بھی یہی خیال کرے کہ اس کا غسل نہیں ہوا کیا وہ صحیح الدماغ ہوسکتا ہے؟ (وہ مجنون ہی ہے)“

(ابو الوفا علی بن عقیل بن محمد بن عقیل پانچویں صدی ہجری کے بڑے حنبلی عالم اور شیخ تھے اپنے زمانہ کے امام اور علامہ تھے، صاحب تصانیف اور کبار ائمہ میں شمار ہوتا ہے)



نئے جوتے

ابن دین محمد

میں کافی دیر سے اباجان کی کرسی کے پیچھے بے بسی کی تصویر بنا کھڑا تھا....میرا ایک ہی مطالبہ تھا کہ جوتے پرانے اور شکستہ حال ہو چکے ہیں.... لہٰذا نئے خرید کر دیئے جائیں....اگرچہ اباجان نے اپنے لاڈلے کا مطالبہ دل و جان

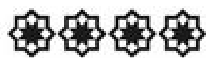


سے تسلیم کر لیا تھا.....مگر شرط وہی پرانی تھی کہ کام سے فارغ ہو جاؤں پھر لے کے دوں گا.....اور کام اتنا تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا....

خیر خدا خدا کر کے کام کا رش ڈھیلا پڑا اور اباجان مجھے بازار لے گئے....وہاں سے انہوں نے مجھے ایک عام سی سادہ سی چپل خرید کے دی ....یہی کوئی ساٹھ ستر روپے والی....اور یہ بات آج کل کی تو ہے نہیں.....اب تو وہی چپل بھی دو اڑھائی سو سے کم کی نہیں ہوگی....

بس جناب!!! اباجان نے وہ چپل کیا خرید کے دی....مجھے لگنے لگا کہ گویا اللہ پاک نے مجھے دو ''پر'' لگا دیئے ہوں....کبھی اس چپل کے ساتھ بائی پاس کی طرف اُڑا جا رہوں تو....تو کبھی کھیل کے میدان کی طرف ''جہاز'' بنا جا رہا ہوں ....گھر والے کوئی کام کہہ دیں تو یوں سپیڈ پکڑتا ہوں کہ گویا میرے سوا کسی کو یہ کام کرنا آتا ہی نہ ہو....

ان دنوں میرا یہ ''عقیدہ'' تھا کہ جو نئے جوتے ہوتے ہیں ان میں تیز بھاگنے کی طاقت ہوتی ہے ....جیسے جیسے جوتے پرانے ہوتے جاتے ہیں...ویسے ویسے ان کی رفتار ماند پڑتی جاتی ہے....اور جب بھی اباجان نئے جوتے خرید کر دیتے میری یہی حالت ہوتی تھی!!!!



رفتہ رفتہ وقت گزرتا گیا....اور پتہ نہیں کب اور کیسے بچپن....بچپن کی حسین یادوں میں کھو گیا ....اور بچپن کی جگہ لڑکپن نے لے لی.....اور

والدین کی رفاقت کی جگہ دوسروں نے لے لی ....وقت نے یہاں پہ بھی بس نہیں کی.......اور ''پر'' لگا کر اُڑتا رہا... بالکل میرے نئے تیز رفتار جوتوں کی طرح...اور پھر نوجوانی کی ذمہ داریوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا...اب ضروریات کا تقاضہ بجائے والدین کے اپنے آپ سے کرنے لگا...

ایسے میں ایک مرتبہ ایک جگہ سے اپنی ''ذمہ داری'' نبھا کر اور اپنا ''حق'' وصول کر کے گھر کو لوٹ رہا تھا کہ اچانک پاؤں کو ٹھوکر لگی....

او ہو!!!! جوتے تو پہلے سے ہی شکستہ حال تھے...اس ٹھوکر نے ان کا کام ہی تمام کر دیا... عین اسی لمحے گزشتہ دنوں خود سے کیا ہوا ''عہد'' بھی یاد آ گیا کہ اپنا ''حق'' ملنے پر نئے جوتے خریدوں گا...

فوراً بازار گیا...اور ایک شیشے والی دکان میں داخل ہوا.... جہاں مختلف نرخوں پر رنگ برنگے جوتے جگمگا رہے تھے....خیال تھا کہ کوئی عام سی سلیپر لوں گا...لیکن میرا دل ایک مہنگی جوتی پہ آ گیا....میں نے اس سے نظریں چرانے کی خوب کوشش کی لیکن بے سود!!!!

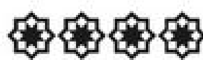
آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہی جوتے اُٹھائے.....قیمت دیکھی تو پندرہ سو!!!

پیسے دینے کے بعد وہیں پہ ہی ان جوتوں کو پہن لیا اور پرانے جوتے کوڑے میں پھینک دیے.....اس سے قبل اتنے مہنگے جوتے نہیں خریدے تھے....اب مہنگے جوتے پہن کر میں فٹ پاتھ پہ چل رہا تھا...اور بڑی احتیاط سے چل رہا تھا کہ کہیں جوتے گندے نہ ہو جائیں ...مجھے یوں لگ رہا تھا کہ سارے لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کے مجھے ہی دیکھ رہے ہیں....

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ مجھے خوشی نہیں ہو رہی تھی....اگر ساٹھ ستر روپے والے جوتوں میں تیز رفتاری کی طاقت ہو سکتی ہے تو پندرہ سو کے جوتوں میں یہ رفتار کئی گنا زیادہ ہونی چاہیے۔

چلتے چلتے ایک خیال آیا...تیز رفتاری کی طاقت نئے جوتوں میں نہیں بلکہ اس خوشی میں پوشیدہ ہوتی تھی....کہ جب ابا جان انگلی پکڑ کر بازار لے جاتے اور نئے جوتے خرید کر دیتے...ان جوتوں کو پہن کر جو خوشی ہوتی تھی...تیز رفتاری ان میں پوشیدہ ہوتی تھی....

میں نے چلتے چلتے یوٹرن لیا اور واپس اسی دکان کی طرف بڑھنے لگا...آں ہاں وہ جوتے واپس کرانے نہیں.....بلکہ ابا جان کے جوتے بھی تو شکستہ حال ہو چکے تھے...اگر مجھے بچپن میں ان کے خرید کر دینے پر خوشی ہو سکتی ہے....تو آج جب میں ان کو خرید کر دوں گا تو ان کو بھی تو خوشی ہو گی ناں!!!!



فاتح کون؟

محمد فیصل علی





وہ بڑا عجیب منظر تھا۔ایک نومولود بچے کا وجود کپڑے میں لپٹا پڑا تھا۔وہ ہولے ہولے سانس لے رہا تھا۔

اس کا وجود اپنے جسم اور روح کے ساتھ اس دنیا میں آچکا تھا۔اس بچے کی روح بے چین تھی۔روح پہ ایک سیاہ اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔بے چین روح کے اثرات جسم وجان پر بھی ظاہر ہو چکے تھے اور بچہ ہلکی ہلکی آواز میں رو رہا تھا۔

اچانک کسی نے اسے ہاتھوں میں اُٹھالیا اور اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے گیا۔روح کی بے تابی اور بڑھ گئی۔اسی لمحے اُٹھانے والے نے کچھ بولنا شروع کر دیا۔

روح نے دیکھا کہ تیز روشنی کی ایک کرن اس کے اوپر جلوہ فگن ہوگئی تھی اور اس کے اوپر چھایا ہوا سارا اندھیرا یکلخت کافور ہوگیا تھا۔

اب یہ روح روشنی میں نہا چکی تھی۔اس کے اندر اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور عین اسی وقت آسمان سے ایک چمک دار کرن تیر کی طرح آئی اور اس

کے دل میں گھس گئی۔اس بچے کا دل نور سے معمور ہوگیا۔ یہ روشنی کی کرن رکی نہیں تھی۔وہ دل سے منسلک ہونے کے بعد وہاں سے نکلی اور کرہ ارضی کی مسافتیں طے کرتی ہوئی سیدھی ایک اور خوش بودار نورانی جزیرے سے منسلک ہوگئی۔

یہ جزیرہ بھی رنگ ونور کے گھیرے میں تھا اور اس نور کا منبع تھا ایک مقدس مقام! روضہ محمد مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ جیسے ہی وہ نورانی کرن اس منبع سے جڑی، اس بچے کے دل کی تاریں بھی اس نور سے منسلک ہوگئیں۔

آسمان سے اُترنے والی تیز روشنی روضہ مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے جڑنے کے بعد اب مکمل ہو چکی تھی اور بچے کے تمام اعضاء ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔اس کا دل خوشی سے معمور خیر مبارک خیر مبارک کہہ رہا تھا اور اپنے اندر سمائے ہوئے اس پاکیزہ کلمے کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔سبھی اعضاء کی نگاہیں بھی اسی کلمے پر جمی تھیں،سبھی اس کلمے سے وفاداری کا وعدہ کر رہے تھے اور ان کی زبانوں پہ بھی اسی کا ورد جاری وساری تھا:

''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''

☆☆☆

رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آسمان پہ ستارے چمک رہے تھے۔ چاند منور کرنیں بکھیر رہا تھا۔ چہار سو اطمینان تھا۔بے چین تھا تو صرف وہی تھا،صرف وہی۔اس کی تیز چمک بار بار ماند پڑ رہی تھی۔وہ کلمہ طیبہ تھا۔وہ ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں تھا مگر۔۔۔! درد کی کہانی تو اسی مگر کے بعد تھی۔ جی ہاں ،اسے مسلمان بار بار اپنے وجود سے باہر جانے پر مجبور کر رہے تھے۔لیکن کیسے؟؟ آئیے دیکھیں چند مناظر:

پہلا منظر:

ایک گھر کے باہر تین آدمی کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

''یہی ہے وہ گھر؟''

''ہاں''

''کیا مال ہے یہاں؟''

''مال بہت ہے لیکن ہم صرف زیورات اور نقدی اُڑائیں گے۔''

''ہے کون؟''

''بڑا سیٹھ ہے''

''ٹھیک ہے چلو پھر اور ہاں مکمل احتیاط سے''

اس کے ساتھ ہی وہ تینوں حرکت میں آگئے اور اس گھر کی دیوار پہ چڑھنے لگے۔عین اسی وقت ان کے دلوں سے کلمہ طیبہ روتا ہوا نکلا۔شیطانی اندھیرے نے اسے دھکے مار مار کر نکال دیا تھا۔ وہ روتا ہوا ان تینوں کے سروں کے اوپر سائبان بن کر معلق ہوگیا کہ وہ شاید اس گناہ کو ترک کر دیں۔وہ اس بات سے بھی ڈر رہا تھا کہ اگر اس گناہ کے دوران ان تینوں کا آخری وقت آگیا

تو کیا بنے گا؟

دوسرا منظر:

وہ ایک نوعمر لڑکا تھا۔اس کے ہاتھوں میں موبائل فون تھا۔وہ جیسے ہی موبائل کی سکرین پہ ہاتھ رکھتا تو شیطانی اندھیروں کی ایک فوج اس پہ حملہ آور ہو جاتی۔یہ شیطانی چیزیں چاہتی تھیں کہ وہ موبائل کو گناہ کے لیے استعمال کرے۔وہ نوعمر لڑکا سمجھ دار تھا۔اس کے سبھی اعضاء اسے یاد دلا رہے تھے کہ تم نے جب کلمہ طیبہ پڑھا تھا تو یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کلمے کے ساتھ وفاداری کرو گے۔اسے ایک منٹ کے لیے بھی خود سے جدا نہیں کرو گے۔چنانچہ اس نے ان شیطانی طاقتوں کو پرے دھکیلا اور موبائل کو مثبت سرگرمیوں کے لیے استعمال کرنے لگا۔

جلد ہی اس کے کانوں میں تلاوت کلام پاک کی آواز گونجنے لگی۔وہ موبائل کی سکرین پہ بیت اللہ اور مسجد نبوی کے مناظر دیکھ رہا تھا اور اس کے کان قرآن مجید کی یہ آیت سن رہے تھے:

”اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ“

ترجمہ:”(اے ابلیس) بے شک میرے خاص بندوں پہ تیرا کوئی زور نہیں چلے گا،سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔“

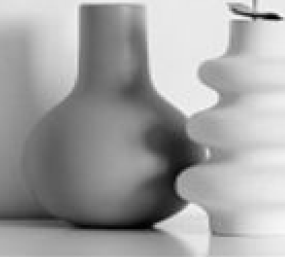
اس نوعمر لڑکے کی روح یہ آیت سن کر سرشار ہو رہی تھی کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں شامل ہوں جو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں اور شیطانی چالوں اور حملوں سے بچے رہتے ہیں۔اس کے دل میں موجود کلمہ طیبہ مزید راسخ ہو رہا تھا اور دل میں موجود ایمان کے پودے کی جڑیں مزید مضبوط ہو رہی تھیں جب کہ اس لڑکے سے چند قدم دور ایک اور نوجوان ابلیسی پھندے میں پھنسا موبائل فون پہ ناچ گانا دیکھنے میں مگن تھا اور اس کا کلمہ طیبہ مظلومیت کی تصویر بنا اس کے سر کے اوپر معلق تھا۔

”آہ! کتنا وفادار ہے یہ پیارا کلمہ طیبہ اور کتنا بے وفا ہے یہ انسان“

کراما کاتبین فرشتے افسوس کے ساتھ اس کا نامہ اعمال لکھتے جا رہے تھے۔

تیسرا منظر:

بازار کی رونق عروج پر تھی۔گاہک دکان دار بھاؤ تاؤ میں مصروف تھے۔مختلف جگہوں پہ مختلف مناظر تھے۔ہر ظاہری آنکھ ان مناظر کو دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔بچے،بڑے،مرد و خواتین اپنے اپنے کاموں میں ذوق و شوق سے لگے ہوئے تھے لیکن ایک باطنی آنکھ اس سارے منظر کو ایک اور زاویے سے دیکھ رہی تھی۔اسے ان تمام مقامات پہ بے وفائی اور وفاداری کی جنگ ہوتی نظر آ رہی تھی۔کہیں وفاداری جیت رہی تھی تو کہیں بے وفائی۔کہیں مسلمان کلمے سے وفاداری کر رہے تھے تو کہیں بے وفائی۔یہ ایک بہت بڑی جنگ



بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی کوئی قیمت نہیں دینی پڑتی لیکن وہ بذاتِ خود بہت قیمتی ہوتی ہیں، مثلاً اچھی بات، حُسنِ اخلاق، مسکرانا، خندہ پیشانی سے ملنا بھٹکے ہوؤں کو رستہ دکھانا کسی مسلمان کی پریشانی دور کرنا وغیرہ وغیرہ، اور اگر ان میں نیک نیتی بھی شامل ہو جائے تو اجر و ثواب بھی ہاتھ آتا ہے۔

اللہ ہمیں اچھے خصائل و اعمال کی توفیق سے مالا مال فرمائے۔ آمین

وثقیٰ بنت زبیر

تھی، بہت بڑی جنگ!

باطنی آنکھ نے دیکھا کہ کلمہ طیبہ مسلمانوں کو یاد دلا رہا تھا کہ جیسے طالوت کے لشکر والوں کو نہر کے ذریعے آزمایا گیا تھا کہ جس نے اس نہر سے پانی پی لیا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا، بالکل ایسے ہی تمہارا امتحان لیا جا رہا ہے، تمہارے سامنے شیطان کی طرف سے گناہ کی ایک نہر بہہ رہی ہے اور شیطان کہہ رہا ہے کہ اس سے پانی پی لو جب کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ”جس نے یہ پانی پیا، وہ ہمارا نہیں ہوگا“ اب ہمارے لیے حکم ہے کہ اس نہر سے پانی بالکل بھی نہ پئیں۔

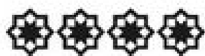
افسوس کی بات یہ تھی ان میں سے بیشتر مقامات پر کلمہ طیبہ مظلوم بنا ہوا نظر آ رہا تھا۔

کہیں جھوٹ کے ڈاکو نے اس کلمے کو دل سے نکال دیا تھا۔

کہیں دھوکا دہی کا عفریت، کہیں گالم گلوچ کی بدبو اور کہیں بدکرداری کا دیو کلمہ طیبہ کو دھکے دے کر دل سے نکال رہے تھے اور وہ بے چارہ ان مسلمانوں کے سروں کے اوپر کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔

جبکہ کچھ وفادار مسلمان اس پیارے کلمے کو سینے سے لگائے ہر شیطانی حملے کا بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے، ان کا عزم تھا کہ ہم اسے کلمے کو اپنے دل سے ایک منٹ کے لیے بھی جدا نہیں کریں گے، ایک منٹ کے لیے بھی نہیں، ہرگز نہیں!!

باطنی آنکھ ان باہمت لوگوں کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور کراماً کاتبین فرشتے ان کے مبارک عزم پہ ماشاء اللہ بارک اللہ کہتے جا رہے تھے۔ ان لوگوں کے دلوں میں موجود کلمہ طیبہ کا نور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔



محمد مستقیم



سہج پکے، سو میٹھا ہو

اسلم نے آج دوست کے گھر جا کر اس کے ساتھ مل کر ایک پینٹنگ بنانی تھی۔ جب جانے کا وقت ہوا تو وہ تیزی سے اُٹھا، آن کی آن میں موٹر سائیکل پر سوار ہوا، پھر یہ جا وہ جا۔ پانچ منٹ بعد وہ پھر گھر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر اُلجھن تھی۔ ''کیا ہوا؟''

''دادا جان! میں پینٹنگ کا سامان تو بھول ہی گیا''۔

دادا جان بولے: جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

مشہور مثل ہے کہ سہج پکے سو میٹھا ہو۔

مطلب کام آرام سے کیا جائے

تو تسلی بخش ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب

قافلے کی تلاش

اللہ تعالیٰ حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کے اہل وعیال اور رفقائے کرام کے درجات بلند فرمائے، حضرت سید صاحبؒ نے بظاہر تھوڑی عمر پائی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن سے بہت کام لیا اور اُن کے کام اور اوقات میں ”برکت“ عطاء فرمائی...... آپ کی ولادت ”صفر ۱۲۰۱ھ“ اور شہادت ”ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ“ میں ہوئی...... مطلب یہ ہوا کہ تقریباً پینتالیس (۴۵) سال عمر پائی...... اس چھوٹی سی عمر میں ”برکت“ کا یہ عالم ہے کہ آج بھی اُن کا نام اور کارنامے سُن کر بہت سے لوگ ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں...... حالانکہ اُن کی شہادت کو دو سو سال کا عرصہ ہونے والا ہے...... اور خود اُن کے اپنے زمانے میں اُن کی مقبولیت کا ایک عجیب رنگ تھا......

مولانا عبدالاحد صاحب لکھتے ہیں:۔

”حضرت سید صاحب قدس سرہ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار ”مسلمان“ ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپؒ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعے تمام روئے زمین پر جاری ہے۔اس سلسلے میں تو کروڑوں آدمی آپؒ کی بیعت میں داخل ہیں (روحانی رشتے ص ۳۷)

اتنے بڑے مجاہد، قطب اور مجدّد کے ساتھ بھی کئی بدنصیب لوگوں نے طرح طرح کی زیادتیاں کیں...... کئی لوگ آپؒ کو قتل کرنے آئے ان میں

سے بعض تو بعد میں تائب ہو گئے جبکہ بعض اپنی بدنصیبی پر ڈٹے رہے...... پشاور کے ایک سردار نے آپؒ کے کھانے میں زہر ملا دیا...... آپؒ اس زہر سے شہید تو نہ ہوئے البتہ کئی دن تک بیمار رہے...... شکر گزاری کا یہ عالم تھا کہ اس واقعہ پر بھی شکر ادا کیا کہ ایک سنت اور پوری ہوئی...... کیونکہ آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہودیوں نے زہر دیا تھا...... اللہ تعالیٰ نے حضرت سید صاحب کو بہت عجیب فراست عطاء فرمائی تھی...... ارشاد فرماتے تھے کہ تین چیزوں کے پہچاننے میں مجھ سے بہت کم غلطی ہوتی ہے (۱) گھوڑا (۲) اسلحہ (۳) آدمی...... آپؒ کے رفقاء تصدیق کرتے ہیں کہ واقعی اسی طرح تھا...... مگر اللہ تعالیٰ کا نظام بہت وسیع ہے...... اتنی فراست کے باوجود بہت سے بدنصیب لوگ آپ کو دھوکا اور فریب دیتے رہے...... بے شک علم غیب کے خزانے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں...... خود حضرت سید صاحبؒ بھی یہی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی! جب چاہتا ہے اپنے بندوں کو کسی پوشیدہ بات کا الہام فرما دیتا ہے اور جب چاہتا ہے تو پوشیدہ کو پوشیدہ ہی رہنے دیتا ہے...... حضرت سید صاحب نے خود کو اور اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف فرما دیا...... اور یہ بات یقینی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کا ہو جاتا ہے...... چنانچہ سید صاحب کی صحبت میں عجیب قوت اور عجیب برکت تھی...... آپؒ کے ایک ''اصلاحی سفر'' کا حال حضرت ندویؒ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''ہر ہر جگہ سینکڑوں آدمی متقی، متورع، عابد، متبع سنّت اور ربانی بن گئے۔ ہزاروں فاسق صالح اور اولیاء اللہ ہو گئے، بیسیوں آدمی قتل کے ارادے سے آئے اور جانثار بن گئے اور گھر بار چھوڑ کر آپؒ کے ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ میدان جنگ میں شہید ہو گئے، جس نے ایک مرتبہ زیارت کر لی وہ آپؒ کے رنگ میں رنگ گیا اور مرتے مرتے مر گیا مگر شریعت سے ایک قدم نہ ہٹا'' (روحانی رشتے ص ۲۶)

پچھلے ہفتے کی مجلس میں عرض کیا تھا کہ......

آج کل ''وقائع سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ'' نامی کتاب کا مطالعہ جاری ہے...... اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے گزشتہ رات اس مبارک کتاب کا مطالعہ مکمل ہوا...... تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک دلکش تحفہ ہے...... یہ ایک ایسا سمندر ہے جس میں جہاد اور روحانیت کے موتی ہی موتی بھرے ہوئے ہیں...... آپ نے اس کتاب کا خلاصہ پڑھنا ہو تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یہ تین کتابیں پڑھ لیجیے......

(۱) جب ایمان کی بہار آئی

(۲) سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

(۳) کاروانِ ایمان وعزیمت

یا مولانا غلام رسول مہرؒ کی درج ذیل کتب کا مطالعہ کر لیجئے......

(۱) سید احمد شہیدؒ

(۲) جماعتِ مجاہدین

(۳) سرگزشت مجاہدین

اور اگر آپ کے پاس وقت کم ہے اور آپ ان تمام کتابوں کا خلاصہ اور عطر پڑھنا چاہتے ہیں تو پھر حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ کی کتاب ''روحانی رشتے'' ضرور پڑھ لیجئے...... اس کتاب کا پورا نام...... ''سید احمد شہیدؒ سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے روحانی رشتے'' ہے...... یہ کتاب صرف دوسو چالیس ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے...... اس کتاب میں آپ کو انشاء اللہ بہت کچھ مل جائے گا...... آج اکثر لوگوں کا جہاد کے بارے میں ''نظریہ'' مکمل اسلامی نہیں ہے...... حضرت سید احمد شہیدؒ کا بڑا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو جہاد اور خلافت کا حقیقی مفہوم...... اپنے علم اور عمل دونوں سے سکھایا...... اس لئے ہم جب حضرت سید صاحبؒ کے حالاتِ زندگی پڑھتے ہیں تو ہمیں ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا حقیقی مفہوم پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ آتا ہے...... اور ساتھ ساتھ شہادت کا حسین انجام اور راستہ بھی روشن دکھائی دینے لگتا ہے...... حضرت سید صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو روحانی مقام عطاء فرمایا تھا اور لوگ جس طرح سے آپؒ کی طرف رجوع کر رہے تھے...... اس میں حضرت سید صاحبؒ کے لئے ایک پرامن اور پرآرائش زندگی گزارنا بہت آسان تھا...... بڑے بڑے رئیس اور نواب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں ہدیے اور نذرانے ڈھیر کرتے تھے اور بڑے بڑے مالدار آپؒ کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اپنا سارا مال لٹانے کو تیار رہتے تھے...... مگر حضرت سید صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہجرت اور جہاد کا راستہ اختیار فرمایا...... اور اسی راستے کو سب سے افضل اور بہترین جانا...... بالاکوٹ کے سفر میں ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:۔

''بھائیو! میں جو اپنے وطن سے اتنے بندگان خدا کو جابجا سے لے کر اور طرح طرح کی سختی اور مصیبت اُٹھا کر تمہارے اس مُلک کوہستان میں آیا ہوں فقط اس واسطے کہ تم مسلمانوں کے مُلک پر کفار غالب ہو گئے اور وہ طرح طرح کی تم کو تکلیف اور ذلت دیتے ہیں، اُن کو مدد الٰہی سے مار کر مغلوب کروں تاکہ تم اپنی اپنی ریاستوں پر قابض اور متصرف ہو اور دین اسلام قوت پکڑے اور اگر میں طالب عیش و آرام کا ہوتا تو میرے واسطے ملک ہندوستان میں ہر طرح کی عیش و آرام تھی، اس کوہستان میں کبھی نہ آتا سو مُراد اس گفتگو سے یہ ہے

کہ تم بھی سب بھائی حکومتِ کفار سے غیرت کرو اور جان و مال سے میری شراکت کرو اور کافروں کو مار کر یہاں سے نکالو (وقائع ص ۲۲۰۹)

اللہ اکبر! کس قدر "درد" ہے اور کس قدر "غیرت" کہ اے مسلمانو!...... اس بات سے غیرت کھاؤ کہ تم پر کفار کی حکومت ہے......

حضرت سید صاحبؒ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہدایت کا بادل بن کر...... تکیہ رائے بریلی سے اٹھے اور بالاکوٹ کی طرف روانہ ہوئے...... راستے میں آپ بہت سے شہروں سے گزرے...... موجودہ صوبہ سرحد کے ایک بڑے حصّے پر آپؒ نے اسلامی حکومت بھی قائم فرمائی...... اور پشاور پر بھی قابض ہوئے...... آپؒ نے دعوت جہاد کے کئی وفود دوسری اسلامی ریاستوں میں بھی بھیجے...... مگر جان، مال، عہدے اور ظاہری امن کے لالچی حکمرانوں نے صرف تحفے تحائف بھیجنے پر ہی اکتفا کیا...... اس دوران بہت سی بغاوتیں اور شرارتیں بھی ہوئیں، کئی ظالم لوگوں نے حضرت سید صاحبؒ کو (نعوذ باللہ) انگریزوں کا ایجنٹ بھی قرار دیا...... اور کئی لوگوں نے آپؒ پر کم علم ہونے کا فتویٰ بھی صادر کیا...... مگر حضرت سید صاحبؒ اپنے حق کام میں لگے رہے...... پہاڑوں سے زیادہ بھاری مشکلات بھی آپؒ کا راستہ اور طریقہ تبدیل نہیں کرسکیں اور نہ ہی...... لوگوں کی جہالت اور ضد دیکھ کر آپ کسی موقع پر شریعت سے نیچے اترے...... آپؒ نے ہر جہالت کا جواب بُردباری اور حلم سے اور ہر ضد کا جواب شریعت پر استقامت سے دیا...... آپؒ نے اپنے زیر حکومت علاقوں میں بہت محبت، نرمی اور حکمت کے ساتھ شریعت کے احکامات نافذ فرمائے...... آپؒ دین نافذ کرنے کے معاملہ میں ڈنڈے سے زیادہ ترغیب اور دعوت کا طریقہ استعمال فرماتے تھے، آپؒ نے لوگوں کو عُشر اور زکوٰۃ دینے کی ترغیب دی اور پھر "عُشر" وصول کرنے کے لئے جگہ جگہ نمائندے بھی مقرر فرمائے...... بعد میں بدنصیب ظالموں نے ان نمائندوں میں سے کئی ایک کو بہت مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا...... اسی طرح حضرت سید صاحبؒ نے اپنے زیر حکومت علاقوں میں نکاح اور شادی کے معاملے کو "اسلامی" طریقے پر لانے کی بہت محنت فرمائی...... افسوس کہ آپؒ کی اس محنت سے بہت کم لوگوں نے فائدہ اٹھایا...... جبکہ اکثر لوگ اپنی پرانی غیر شرعی رسومات اور طریقوں پر ڈٹے رہے......

اس وقت حضرت سید صاحبؒ کی تعلیمات کو پھر عام کرنے کی ضرورت ہے...... کیونکہ بہت سے لوگ جہاد کے معنیٰ کو بدل رہے ہیں...... حضرت سید صاحبؒ کے خطبات اور عمل میں اس فتنے کا توڑ موجود ہے...... اسی طرح کچھ لوگوں نے...... "جہاد" کو ہر طرح کی مار دھاڑ اور ہر طرح کے فساد کے معنیٰ

میں لے رکھا ہے...... حضرت سید صاحبؒ نے بار بار لوگوں کو سمجھایا کہ ہمارا مقصد صرف ہلّہ گُلّہ کرنا، فساد پھیلانا اور مار دھاڑ کرنا نہیں ہے ...... بلکہ ہم تو شریعت اور سنت کے مطابق ''جہاد'' کا احیاء چاہتے ہیں...... آج کی بہت سی نام نہاد جہادی تحریکیں اگر سید صاحبؒ کے حالات، واقعات اور ارشادات کا مطالعہ کریں تو اُن کو معلوم ہوگا کہ وہ سیدھے راستے پر نہیں جا رہے...... اسی طرح ہمارے زمانے کا ایک بڑا فتنہ ''خلافت'' کے نام پر شور مچانے والے بے عمل اسکالروں کا ہے...... لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں کئی تنظیمیں ''خلافت'' کے نام پر کام کر رہی ہیں...... یہ لوگ ظاہری طور پر ''خلافت'' کے قیام کی باتیں کرتے ہیں مگر خود اُن کا عمل مسلمانوں'' کو خلافت راشدہ'' کے پاکیزہ نظام سے دور لے جا رہا ہے...... خلافت کے قیام کے لئے دو چیزیں فرض کے درجے میں ہیں...... ایک ہجرت اور دوسری جہاد...... مگر ان تنظیموں اور اسکالروں کے پاس نہ ہجرت ہے اور نہ جہاد...... بس ہوائی باتیں ہیں...... اور خود فریبی کے ڈھکوسلے......

کیا خلافت گھر بیٹھے قائم ہو جائے گی؟......

قرآن پاک کی وہ آیات جن میں خلافت کا تذکرہ ہے اُن کو غور سے پڑھا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ...... خلافت کی نعمت مسلمانوں کو تب نصیب ہوتی ہے جب وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی قوت سے لیس ہو کر...... ہجرت اور جہاد یعنی ہر طرح کی قربانی کے لئے کھڑے ہوتے ہیں...... حضرت سید صاحبؒ نے جب ''خلافت'' کا مشن شروع فرمایا تو پھر تکیہ رائے بریلی میں بیٹھ کر لیکچر نہیں دیتے رہے...... بلکہ انہوں نے ہجرت اور جہاد کا راستہ اختیار فرما کر...... اُمت مسلمہ کو ''خلافت'' پانے کا طریقہ اور راستہ سمجھا دیا...... اور خود بھی زمین کے ایک حصّے پر اس کا نمونہ قائم فرما دیا...... مگر مسلمانوں کے مجموعی حالات اس معیار کے نہیں تھے کہ اُن کو ''خلافت'' کی نعمت نصیب ہوتی...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سید صاحبؒ کو اپنے پاس بُلا لیا...... اور اُن کے مخلص رفقاء کو مغفرت، سعادت اور شہادت کی نعمتوں سے مالا مال فرما دیا...... حضرت سید صاحبؒ جس قافلے کو لیکر چلے تھے وہ قافلہ آج بھی الحمدللہ رواں دواں ہے...... سید صاحبؒ کا قافلہ کوئی نئی چیز یا نئی بدعت نہیں تھی...... یہ وہ قافلہ ہے جو ''بدر'' کے میدان سے چلا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تک بغیر کسی وقفے کے چلتا رہے گا، اس قافلے کے پہلے امیر حضرت آقا مدنی ﷺ تھے اور آخری امیر حضرت امام مہدیؓ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے...... پندرہویں صدی جاری ہے...... پچھلے چودہ سو سال میں یہ قافلہ ایک دن کے لئے بھی نہیں رکا، حضرت آقا مدنی ﷺ نے واضح اعلان فرما دیا ہے کہ یہ قافلہ ہر زمانے

میں موجود ہوتا ہے...... اور یہ حق پر ہوگا اور اس میں چلنے والے کامیاب لوگ ہوں گے...... تیرہویں صدی میں اس قافلے کی سالاری کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت سید صاحبؒ کو منتخب فرمایا...... اور یہ قافلہ اور اُس کے کارنامے اُمت کے سامنے ظاہر ہوئے...... بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ قافلہ گمنام چلتا رہتا ہے اور دنیا کے دوسرے مسلمانوں کو اس کی خبر نہیں ہوتی...... دنیا تو بہت بڑی ہے اور زمین اور سمندر بہت وسیع ہیں...... آج سائنسدانوں نے ساری دنیا کو ناپنے کا دعویٰ کر رکھا ہے مگر ہر چند سال کے بعد کوئی نئی جگہ سامنے آجاتی ہے...... حضرت سید صاحبؒ چونکہ اس اُمت کے ''مجددین'' میں سے تھے اس لئے اُن کے قافلے کے حالات مسلمانوں کے سامنے آگئے...... تاکہ وہ لوگ جن کا ''قبلہ'' دائیں بائیں ہو چکا ہے وہ اس قافلے سے روشنی لے کر ''صراط مستقیم'' کی طرف گامزن ہوں...... بدر اور بالاکوٹ والا قافلہ آج بھی الحمدللہ...... اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے...... وہ خوش نصیب مسلمان جن کی قسمت میں کامیابی اور جنت لکھی ہے وہ اس قافلے کو ڈھونڈ لیتے ہیں...... اور پھر اپنی پونجی یعنی جان و مال لگا کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے مستحق بن جاتے ہیں...... میری آپ سب سے گزارش ہے کہ...... دنیا پرستی کے دھوکے میں نہ پڑیں...... لوگ دھڑا دھڑ اس دنیا کو چھوڑ کر مر رہے ہیں...... معلوم ہوا کہ دنیا فانی ہے یہ دل لگانے اور جان کھپانے کی جگہ نہیں ہے...... آپ سب حضرت سید احمد شہیدؒ کے مبارک حالاتِ زندگی اور آپؒ کے ارشادات کو پڑھیں...... سید صاحبؒ گویا کہ ہمارے اپنے زمانے ہی کے آدمی ہیں...... دو سو سال کا عرصہ کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہے...... اُن کے زمانے میں تقریباً وہ تمام فتنے موجود تھے جن کا سامنا آج ہمیں بھی ہے...... پھر ان حالات میں حضرت سید صاحبؒ اور اُن کے رفقاء نے ''حق راستے'' اور کامیابی کو کیسے تلاش کیا؟...... ہم سب کو اگر اپنی آخرت کی فکر ہے تو ہم سید صاحبؒ کے قافلے سے قرآن و سنت کا کامیابی والا راستہ معلوم کر آئیں...... اور پھر اپنے زمانے میں اس قافلے کو تلاش کریں...... اور پھر مرتے دم تک اسی قافلے میں جڑے رہیں...... یا اللہ روشنی عطاء فرما، نور عطاء فرما، توفیق عطاء فرما...... آمین یا ارحم الرحمین

اللھم صل علیٰ سیّدنا و مولانا محمد عدد مافی علم اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ عز و جل و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیرا

☆......☆......☆

اندر کا آدمی

عبدالمجید شاکر

"اچھا بس کہانی ختم۔ اب جاؤ، سو جاؤ!"

امی جان نے کہا اور ہم سب اٹھ کر اپنی اپنی چارپائی پر جا لیٹے۔

قاسم بھی جا کر لیٹ گیا۔ امی بھی اپنی چارپائی پر جا بیٹھیں۔ ایک نظر ہم سب پر ڈالی اور لیٹ گئیں۔

اچانک قاسم اٹھ کر اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا اور امی جان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"امی جان!!!...... دیکھئے تو، ہمارے اندر بھی ایک آدمی ہوتا ہے۔"

"ارے واہ!" ہم سب کی زبان سے نکلا۔ اس نے پھر کہا۔

"سچ مچ امی جان! ہمارے اندر ایک آدمی ہوتا ہے" دوسری بار کہا تو امی نے پوچھا۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"نام تو مجھے نہیں معلوم لیکن ہوتا ضرور ہے۔" قاسم نے جواب دیا۔

"امی! یہ یوں ہی بے پر کی چھوڑتا رہتا ہے۔"

صفیہ باجی نے لیٹے لیٹے کہا اور قاسم جھنجھلا گیا۔

"آج اس اندر کے آدمی نے بات کی تھی؟"

امی جان نے تعجب کے ساتھ کہا اور ہم سب بھی کبھی امی کا منہ تکتے اور کبھی قاسم کو دیکھتے۔

"واہ! کیا بات کی تھی؟"

امی نے قاسم سے پوچھا۔

"امی! بات ایسی ہی کہ میں بتانا نہیں چاہتا آپ خفا ہوں گی۔"

"بتاؤ تو! دیکھوں بات کیا ہے؟"

"چوری کی بات ہے امی! چوری کی!"

اب تو ہم سب اپنی اپنی چارپائی پر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ ہم سمجھ گئے کہ آج قاسم جھوٹ بولے گا لیکن بات ہوگی مزیدار۔



''اچھا سناؤ!!! تو کیا ہوا...... کیا تم نے آج چوری کی؟''

''نہیں امی چوری تو نہیں کی لیکن آج میرا ایمان خراب ہوگیا تھا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے امی! آج آپ نے تیل لینے بھیجا تھا نا! تو میں دکان پر گیا۔ صدیق بھائی دوکان پر بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک روپیہ کا تیل دے دیجیے۔ انھوں نے مجھے تیل دیا۔ اتنے میں عصر کی اذان ہونے لگی۔ انھوں نے مجھ سے کہا۔ قاسم بیٹے! ذرا دیر دکان پر بیٹھے رہو، میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ امی! میں دوکان پر بیٹھ گیا۔ صدیق بھائی اٹھ کر چلے گئے۔

انھوں نے صندوقچی میں قفل بھی نہیں لگایا۔ جب انھوں نے میرے پیسے صندوقچی میں رکھے تو میں نے دیکھا تھا...... صندوقچی میں ڈھیروں نوٹ تھے۔''

''اچھا تو وہیں تیری نیت خراب ہوگئی۔''

''ہاں امی! مگر سنئے تو میری نیت خراب ہوگئی تھی مگر میں نے چوری نہیں کی۔''

''تو کیسے بچ گیا؟''

''امی جان!!! اسی میرے اندر کے آدمی نے ہی بچالیا مجھے۔''

''ارے واہ! پھر وہی بات!'' ہم سب اپنی اپنی چارپائی بیٹھے بیٹھے سوچتے رہے۔ اب تو ہم سب کو کہانی کا مزہ آنے لگا۔

''اس نے کیسے بچالیا؟'' امی جان نے پوچھا۔

''اس نے ایسے بچا لیا امی کہ پھر وہ جو ڈھیروں نوٹ میں نے دیکھے تھے نا! تو میں نے سوچا کہ ایک مٹھی نکال کر جیب میں رکھ لوں۔ میں نے صندوقچی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ادھر اُدھر دیکھا کہ کوئی میری طرف دیکھ تو نہیں رہا ہے۔''

''مگر یہ تو بھول گیا...... کہ اللہ میاں تو مجھے دیکھ رہے ہیں۔''

''ہاں امی! یہ تو معلوم تھا لیکن اس وقت میں سب کچھ بھول گیا۔ اللہ بھلا کرے میرے اندر کے آدمی کا۔ اس نے جیسے ہی صندوقچی کی طرف میرا ہاتھ بڑھتے دیکھا۔ پکارا، میں نے سوچا کہ پھر کسی نے مجھے ٹوکا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید ڈر کی وجہ سے آپ سے آپ میرے کان بجے۔ میں نے پھر صندوقچی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ذرا سا اس کی طرف کھسک بھی گیا۔ اچانک پھر میں نے سنا۔

قاسم کیا کرتے ہو؟ تمھاری امی نے بتایا ہے کہ چوری کرنا گناہ ہے، چوری کرنے والے سے اللہ میاں ناراض ہوجاتے ہیں۔

میں پھر ڈر گیا۔ میں پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اب سوچنے لگا کہ یہ آواز تو میرے جسم کے اندر سے آرہی ہے۔''

”کسی اور نے بھی یہ آواز سنی؟“ امی نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

”نہ، وہ آواز ایسی تھی کہ میرے سوا کوئی سن بھی نہیں سکتا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ میرے اندر کا آدمی مجھے ٹوک کر چپ ہو جاتا تھا۔ تیسری بار میں نے دل کو پکا کر کے صندوقچی میں ہاتھ ڈال دیا۔ اچانک میرا دل دھڑکا اور پھر میرے اندر کے آدمی نے اس زور سے کہا۔

قاسم! بری بات! چوری کرنا بری بات ہے۔

میرا ہاتھ جھٹ سے سمٹ گیا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ پاس والا دوکاندار روک رہا ہے مگر اندر کے آدمی نے مجھے ایسا ڈانٹا کہ میں کانپ گیا۔ اس نے کہا۔

کیا کرتے ہو قاسم! اللہ سے ڈرو...... وہ دیکھ رہا ہے۔

یہ ڈانٹ سن کر میں نے صندوقچی بند کر دی۔ اپنی جگہ آ بیٹھا لیکن میں بیٹھا بیٹھا کانپ رہا تھا۔ اتنے میں صدیق بھائی آ گئے، پوچھا کوئی سودا لینے آیا تھا کہ نہیں؟ میں نے جواب دیا۔ کوئی نہیں آیا تھا۔

اچھا بیٹے! اب تم جاؤ۔ صدیق بھائی نے مجھ سے کہا اور میں چلا آیا۔ بس تب سے یہی سوچ رہا ہوں کہ میرے اندر ایک آدمی ضرور ہے جو مجھے برائیوں سے ٹوکتا ہے۔

امی جان! یہ آدمی کون ہے؟“

”بیٹا! اس کا نام ضمیر ہے۔ ضمیر نام کا آدمی ہر آدمی کے اندر ہوتا ہے جو لوگ اس کا کہنا مانتے ہیں وہ نیک بن جاتے ہیں جو لوگ بار بار اس کے ٹوکنے پر نہیں مانتے تو یہ آدمی بے خوف ہو جاتا ہے اور پھر ایک دن ایسا آتا ہے جب یہ بالکل نہیں ٹوکتا جب یہ نہیں ٹوکتا تو لوگوں کے دلوں سے نیکی کا خیال نکل جاتا ہے اور وہ برے بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ میاں ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاتے ہیں۔ تم سب اللہ کا شکر ادا کرو کہ تم سب کا ضمیر زندہ ہے۔ اچھا اب سو جاؤ!“ امی جان نے بتایا۔

ہم سب پھر لیٹ گئے......اور نیند کی وادیوں میں جا پہنچے۔

☆......☆......☆

کوپن برائے ”وہ کون تھا؟“

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

الوداع

تصویر پر نظر پڑتے ہی بلّو کو اپنی رگوں میں دوڑتا خون منجمد ہوتا محسوس ہوا، آنکھیں پتھرا گئیں، آسمان، زمین نظروں کے آگے گھومنے لگے، شور کے باوجود بلّو کو ہر طرف سناٹا سا محسوس ہونے لگا۔

’’جلدی کرو بلو! کہیں پھنس نہ جائیں‘‘بشیرے کی آواز آئی لیکن بلو ٹس سے مس نہ ہوا

’’تجھے کیا سانپ سونگھ گیا؟‘‘ جواب نہ ملنے پر بشیرے کی تلملائی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر تصویر لے لی۔

’’کیا ہے اس میں مجھے بھی دکھاؤ!‘‘ بشیرے نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’یہ.......یہ ..... یہ.......تو.......‘‘ بشیرا اپنا جملہ مکمل نہ کرسکا اور پھٹی پھٹی نظروں سے بلو کو دیکھنے لگا جو کسی بت کی مانند ساکت تھا۔

☆......☆......☆

ناصر صاحب کا شمار گلشن سوسائٹی کے امیر ترین تاجروں میں ہوتا ہے، اس مقام تک پہنچنے کے لئے وہ زمانے کے کئی نشیب و فراز سے گزرے، لیکن وہ زمانے کی تند و تیز ہواؤں کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے رہے، ابتدائی زندگی میں ہی وہ اپنے والدین کو کھو چکے تھے پھر گردش ایام کے گرداب میں ان کے چھوٹے بھائی دس سال کی عمر میں کہیں پھنس گئے، ان سے ایسے بچھڑے کے آج تک کوئی خبر نہیں آئی، ہر جگہ تلاش کیا لیکن زندگی اتنی بھی مہربان نہیں۔

☆......☆......☆



بلو کا تعلق ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے تھا، یہ لوگ پہلے اپنا ہدف متعین کرتے پھر اپنے بندے کو وہاں ملازم لگا دیتے، موقع پاتے ہی پورا گروپ پہنچ کر ڈاکہ ڈالتے۔ ناصر صاحب کے گھر میں بلو اسی لیے ملازمت کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

کوارٹر میں داخل ہوتے ہی بلو کا موبائل بجنے لگا، توقع کے مطابق اسکرین پر اس کے شریک بشیرے کا نام جگمگا رہا تھا، بلو کے ماتھے پر تیوری چڑھی اور کوفت زدہ انداز میں کال کاٹ کر موبائل چارپائی پر پھینک دیا، کیونکہ اس کا آرام کا ارادہ تھا لیکن بشیرے نے بھی آج قسم کھا رکھی تھی کہ بلو کو فون اٹھانا پڑے گا، اسی لئے دوبارہ کال کی اور گھنٹی مسلسل بجتی رہی، بلو نے تنگ آ کر فون اٹھایا اور پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''کیا ہے؟''

''جس کام کے لیے تمہیں بھیجا ہے اس کا کیا ہوا؟'' بشیرے نے پوچھا۔

''موقع کی تلاش میں ہوں جیسے ہی ملا فوراً آگاہ کر دوں گا۔''

☆......☆......☆

''ہیلو بشیرا! ناصر صاحب کچھ دنوں کے لئے شہر سے باہر جا رہے ہیں اس لئے آج رات کو ساتھیوں کو لے کر پہنچ جانا'' بلو نے کوارٹر میں داخل ہوتے ہی بشیرے کو کال ملائی اور آج رات کا پروگرام بتایا۔

''او کے۔ ناصر صاحب کس وقت روانہ ہوں گے؟'' بشیرے کی سنجیدہ آواز سنائی دی۔

''دس بجے رات کو'' بلو نے بتایا اور کال منقطع کر دی

☆......☆......☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ بند، کالے شیشوں والی ہائی روف گلشن کی سڑک پر رواں دواں تھی، سڑک پر اکا دکا گاڑیاں تھیں۔ ہائی روف ناصر صاحب کے گھر سے کچھ فاصلے پر رک گئی، 5 افراد برق رفتاری سے نکل کر ناصر صاحب کے کوٹھی کے عقب میں چلے گئے اور بلو کی طرف سے اشارہ ملنے کا انتظار کرنے لگے۔

☆......☆......☆

بلو خاموشی سے اپنے کوارٹر سے نکلا اور گھر کے اس کمرے کی طرف بڑھنے لگا، جہاں کے کیمروں کی اسکرین اور اس پر مامور ایک گارڈ تھا، بلو نے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر ایک گہری سانس لی اور کمرے کا دروازہ کھول دیا، دروازہ کھلنے کی آواز سن کر گارڈ نے گردن گھما کر دیکھا تو بلو پر نظر پڑتے ہی اپنا رخ دوبارہ اسکرین کی طرف کیا۔

''خیر ہے بلو! آج یہاں کیسے؟'' اپنی نظریں اسکرین پر مرکوز رکھتے اس نے اطمینان سے بلو سے سوال کیا۔

''تمہیں ایک تحفہ دینا تھا'' بلو نے کہا اور خاموشی سے پستول نکالی، اس سے پہلے وہ بندہ اسکرین پر نظر آنے والے منظر کو سمجھ کر کوئی ردعمل دیتا بلو کی پستول اس کے سر میں چھید کر چکی تھی۔

بلو نے پستول میز پر رکھی اور سارے کیمرے بند کرنے لگا۔ کام مکمل کرتے ہی اس نے بشیرے کو کال ملائی اور اندر آنے کا کہا۔

☆......☆......☆

بلو کی طرف سے اشارہ ملتے ہی ایک بندہ دیوار کے پاس جھکا اور دوسرا اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر کٹر کی مدد سے دیوار پر لگی خاردار تار کاٹنے لگا، تار کاٹنے کے بعد سارے باری باری اندر گئے، دیوار پھلانگتے ہی بشیرے نے دو بندوں کو مرکزی دروازے کی طرف بھیجا تاکہ وہاں موجود گارڈ کو سلا دیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ دونوں آتے دکھائی دیے، اتنے میں بلو بھی آ گیا۔

''چلو جلدی کرو!'' بلو نے آتے ہی شور مچایا اور سب مختلف سمتوں میں گھر کے اندر پھیل گئے۔

بلو اور بشیرا تجوری کی طرف بڑھے۔

☆......☆......☆

بلو پاس ورڈ معلوم کر چکا تھا ابھی گھر کی چھان بین جاری تھی کہ گھر سے باہر ہارن کی آواز سنائی دینے لگی۔

''یہ کون آ گیا؟'' بلو نے سوالیہ لہجے میں کہا اور کھڑکی کے ذریعے جھانکنے لگا۔

''اوہ!...شٹ! یہ تو ناصر صاحب کی گاڑی ہے۔ شاید کسی وجہ سے واپس آ گئے'' بلو نے جلدی جلدی کہا۔

''اب کیا ہوگا؟'' بشیرے نے سوال کیا۔

''تم تجوری خالی کرو! میں انہیں ہمیشہ کے لیے واپس بھیج دیتا ہوں۔''

بلو نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

بشیرے نے جلدی جلدی تجوری خالی کی، اتنے میں باہر سے گولی چلنے کی آواز آئی، تھوڑی دیر بعد بلو آ گیا۔

''کام ہو گیا؟'' بلو نے سوال کیا۔

ہاں نقدی و جواہرات کے ساتھ یہ ایک لفافہ تھا۔

''مجھے دکھاؤ، کیا ہے اس میں؟'' بلو نے بشیرے کے ہاتھ سے لفافہ لیا۔

اس میں موجود تصویر پر نظر پڑتے ہی بلو کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔

''تجھے کیا سانپ سونگھ گیا؟'' بشیرے نے کہا اور تصویر لی، تصویر پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ تصویر میں جلوہ گر چار لوگوں میں سے صرف بلو زندہ بچا تھا، دو کو تو اپنے بچپن میں کھو چکا تھا جب کہ تصویر میں اس کے کندھے پر اپنا ننھا سا ہاتھ رکھنے والا بلو کا بڑا بھائی آج اس کے ہاتھوں اپنی زندگی کو الوداع کہہ چکا تھا۔

☆......☆......☆



چار راستے

کمرے میں ہلکی روشنی جھلملا رہی تھی۔علی صوفے پر بازو پھیلا کر بیٹھا ہوا تھا۔ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس کافی دلکش لگ رہا تھا۔اس کے دائیں ہاتھ کی طرف فاتح بے چین سا بیٹھا ہوا تھا۔

''تم کوشش تو کرو! دیکھو اللہ معاف کر دینے والا ہے تم اگر شرمندہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف کر دے گا جو اس کے حضور ندامت لے کے جاتا ہے اللہ اسے پسند کرتا ہے۔میں نے کوئی انہونی بات تو نہیں کی بس میں چاہتا ہوں تم سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ'' فاتح تھوڑا سا آگے ہوا۔

''تم کیا چاہتے ہو اب میں اپنی جاب چھوڑ دوں تو پھر میں کیا کھاؤں گا آج زندگی جینے کے لئے روپیہ لازمی ہے''

علی کو شاید غصہ آنے لگا تھا...... اس نے خفگی

''تم کیا چاہتے ہو کہ میں اب ایسا ہو جاؤں کہ لوگ بھی کہیں کہ تو سوچ ہے کھا کہ بلی حج پہ چلی۔ میں نے ماضی میں اس قدر گناہ کئے ہیں کہ اب مجھے جو راستہ تم بتا رہے ہو اس پر آتے ہوئے مجھے شرم آ رہی ہے۔''

علی کی سرمئی آنکھوں کی رنگت سرخ میں تبدیل ہو رہی تھی۔خوبصورت داڑھی، ابھری ہوئی آنکھیں تازہ کٹے ہوئے بال، جو سامنے سے اس کے وجیہہ چہرے پر گرتے تھے،سو باتوں کی ایک بات تھی کہ وہ ایک خوبرو نوجوان تھا۔سرخ و سپید چہرہ اور اس پر پریشانی نمایاں تھی۔فاتح نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

سے سر جھٹکا۔

"علی! ضروری نہیں کہ تم یہ جاب چھوڑ دو گے تو تمھیں کوئی اور جاب نہیں ملے گی میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ یہ جاب غیر شرعی ہے۔ دیکھو تم دن بھر خواتین کے ساتھ کام کرتے ہو اور نمبر دو جو بلنگ کمپنی تمہاری ہے اس میں سارا کاروبار سود پر منحصر ہے۔" فاتح نے سمجھوتہ کرنے والے ایکسپریشن دیے۔

"دیکھو فاتح! یہ سب انسان کی نیت پر منحصر ہے کیا لڑکیوں کے ساتھ کام کرنا کوئی گناہ ہے۔ وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ عجیب بات ہے۔۔۔ دیکھو علی تم جانتے ہو قرآن کونسا راستہ دکھاتا ہے؟"

"ہاں معلوم ہے صراط مستقیم۔۔۔"

علی نے فوراً جواب دیا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" فاتح نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار بھائی! اس کا مطلب صحیح راستہ درست راستہ ہے۔" علی کا تجسس بڑھا۔

"نہیں قران میں "مستقیم" استعمال ہوا ہے اس کا مطلب سیدھا ہوتا ہے۔

جو راستہ قران دکھاتا ہے اس کو فزکس کی رو میں "ڈسپلیس منٹ" displacement کہتے ہیں اور اس کی خاص بات یہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل سیدھی ہوتی ہے۔

جب آپ کراچی سے اسلام آباد آرہے ہوں تو درست راستے سے آتے ہیں لیکن وہ بالکل سیدھا نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن ہمیں بالکل سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ جس راستے سے آپ ذرا سا ترچھے بھی ہو گئے تو بھٹک جائیں گے اور سیدھے راستے سے دور ہو جائیں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی سیدھا راستہ درست ہی ہوا نا بات تو ایک ہے؟" علی تھوڑا حیران تھا۔

"بالکل سیدھا راستہ درست ہوتا ہے لیکن درست راستہ ہمیشہ سیدھا نہیں ہوتا۔ درست راستے کو ہم distance کہتے ہیں۔ کسی منزل کی طرف سیدھا راستہ ایک ہی ہوتا ہے اور درست راستے بہت سے اس لئے قران سب سے سیدھا اور درست راستہ دکھاتا ہے۔ جب ہم کلمہ پڑھ لیتے ہیں تو ہمارا سفر شروع ہو جاتا ہے اور اس کلمے سے آخری منزل تک جو سیدھا راستہ ہے اور وہ قران ہے۔"

علی کی حیرانی ابھی بھی چہرے پر واضح تھی۔

"میرا مطلب یہ ہے علی کہ سیدھے راستے پر کمپرومائیز نہیں ہوتا۔ جب قران کہتا ہے کہ غیر محرم کو نہ دیکھو تو نیت کا سوال ہی نہیں اگر آپ نیت کی بات کریں گے تو پھر آپ تو معاذ اللہ صحابہ اور نبی پر الزام لگا رہے ہوں گے کہ نعوذ باللہ ان کی نیت درست نہ تھی۔

قرآن نے سود سے منع کر دیا تو چاہے کوئی بھی طریقہ ہو جو آپ نے حیلہ نکال لیا ہو بس وہ حرام ہے۔" فاتح نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

''لیکن دین اتنا مشکل نہیں جتنا ہم نے بنا لیا ہے''، علی نے دونوں پاؤں صوفے پر رکھ دیے۔

''میرے بھائی یہ سب وسوسے ہیں یہی وہ راستے ہیں جن سے شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے۔

جانتے ہو جب ہم کوئی غلط کام کرنے کا سوچتے ہیں تو شیطان کیا کہتا ہے۔ وہ ہمیں اسی رب العالمین کی رحمت کے وسوسے دیتا ہے۔ آج کل جتنے جوانوں سے بات کی جائے تو وہ جانتے ہو کیا کہتے ہیں۔''فاتح نے نظریں جمائے رکھیں۔

علی نے محض نا سمجھی میں سر ہلایا۔

''وہ کہتے ہیں اللہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ ان شاء اللہ معاف کر دے گا لیکن تم جانتے ہو اللہ نے کبھی ایسا نہیں کہا۔

اللہ تو کہتا ہے کہ کہتے ہیں کہ جہنم کی آگ ہمیں چھو نہ سکے گی مگر سوائے چند دن۔

یہ بنی اسرائیل کے لوگ کہتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے لاڈلے ہیں۔ اللہ ہمیں بخشش دے گا۔

جانتے ہو اللہ کسے معاف کرتا ہے؟

اللہ کے ذمہ ہے ان لوگوں کی معافی جو نادانی میں گناہ کر بیٹھیں۔

سچ بات یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کی آیات اور احادیث سن کر یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ دنیا صرف اللہ نے کھیل تماشے کے لئے بنائی اور قیامت کے روز وہ ایسے ہی جنت میں داخل کر دے گا۔

بلکہ اللہ تو اس روز جلال میں ہوں گے۔ یہی شیطان کے وسوسے ہیں جن سے وہ انسان کو اپنی طرف لے جاتا ہے۔''

فاتح اٹھ گیا اس نے اٹھ کر اپنی قمیض جھاڑی اور فریج تک گیا وہاں سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی اور دو گھونٹ لئے۔

''تم بھی لو گے؟''اس نے بوتل والا ہاتھ ذرا سا اٹھایا۔ علی نے محض سر نفی میں ہلایا۔

''ہاں تو تم جاننا چاہتے ہو کہ شیطان کن راستوں سے حملہ کرتا ہے؟''

''تم بتاؤ گے تو ضرور سنوں گا''

علی کے لب کھل گئے۔

فاتح مسکراہٹ لئے صوفے تک آیا اور بیٹھ گیا۔

''شیطان نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا اس کے لئے اس کے پاس چار راستے ہیں''

فاتح نے ابرو اٹھائے۔

''پہلا ....''اس نے شہادت کی انگلی کھولی اور باقی بند رکھیں۔

''سامنے سے حملہ۔ جانتے ہو سامنے سے کیسے؟ انسان کا مستقبل، اس کے خواب ان کو پر تعیش بنا کر... ہر انسان کے خواب ہوتے ہیں لیکن اسی طرح شیطان حملہ کرتا ہے۔

کسی کو شیطان اس قدر خود پسندی میں مبتلا کرتا

ہے کہ آدمی سوچتا ہے کہ میرے سواہ اس جہاں میں مجھ جتنی قابلیت کسی میں نہیں۔ میرا مقام بہت عمدہ ہوگا میں ڈاکٹر بنوں گا، وکیل بنوں گا وغیرہ

اس طرح وہ انسان کو اس کے اصل مقصد سے دور کر دیتا ہے۔ کوئی اگر متوجہ ہو جائے تو پھر وسوسے دیتا ہے کہ آخر دنیا میں روزی بھی تو کمانی ہے شادی کرنی ہے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا ہے اس طرح وہ اسلام کو ہماری نظر میں انتہائی تنگ نظر اور مشکل دین بنا دیتا ہے۔

جب لوگ سامنے سے قابو میں نہ آئیں تو پھر پیچھے سے حملہ کرتا ہے۔

(پیچھے) مطلب ماضی یہ اس کا کافی طاقت ور حملہ ہوتا ہے وہ ہر موڑ پر گلٹ کو سامنے لاتا ہے۔ تم نے فلاں گناہ کیا، کیا تم نے سود نہیں کھایا؟ جس نے ایک لقمہ بھی حرام رزق کا لیا اس کا جسم ناپاک ہو گیا اور تم نے ساری زندگی گناہ کیئے ہیں اب کیا نیکی کی طرف راغب ہو رہے ہو۔ انسان کی قوت ارادی کو کمزور کر دیتا ہے اسی طرح انسان آہستہ آہستہ مزید گناہوں کی طرف راغب ہوتا ہے۔

یہ تو ہو گئے دو راستے ان دونوں راستوں پر شیطان ہے۔ اب آ گیا تیسرا۔

جب ان دو حملوں سے آدمی بچ جاتا تو ایک تیسرا حملہ شیطان کرتا مطلب دائیں سے........

اس بار گناہ کر لو پھر کبھی بھی نہیں۔ دیکھو ساری دنیا کس طرف جا رہی دنیا کتنی ترقی کر چکی اور تم وہی مسجد، جائے نماز میں اٹکے ہوئے سارا معاشرہ خراب ہے تم ایک درست ہو کر کیا کرو گے بس ایک گناہ کر لو اسکے بعد معافی مانگ لینا۔

شیطان ایک کے بعد ایک مضبوط حملہ کرتا ہے۔ وہ انسان کے کام آراستہ کر دیتا ہے۔ گناہوں کو بھی نیکی دکھاتا ہے۔

رات کے آخری پہر جب لوگ تہجد پڑھتے اس وقت کسی غیر محرم سے چیٹ کرنے میں لذت محسوس ہونا اور یہ کوئی غلط بات تو نہیں سارے لوگ ہی یہی کر رہے تمھاری نیت درست ہے اس طرز کے حیلے دیتا ہے۔

انسان کو اس کے کاروبار میں اس قدر مصروف کر دینا کہ نماز روزے کا ہوش نہ رہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں شیطان میں کیا طاقت ہے۔ وہ ہے تو شیطان کیا کر سکتا ہے اللہ کے حکم کے علاوہ۔

لیکن اللہ نے شیطان کو کھلی چھوٹ دی ہے۔

جس دل میں خدا ہوتا ہے وہیں شیطان کی رسائی بھی ہے شیطان اسی دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔

اس کے بعد وہ بائیں طرف سے حملہ کرتا ہے۔ بائیں طرف سے وہ بہت سی چیزوں کی طرف راغب کرتا جو نشہ آور ہوتی ہیں۔ عربی زبان میں لفظ "خمر" شراب کے لئے استعمال ہوتا۔ حضور ﷺ

نے فرمایا:

"ہر نشہ آور چیز "خمر" ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے"

ہمیں کئی چیزوں کا نشہ ہوتا ہے جن سے برائی کا راستہ ہموار ہوتا ہے۔

مثلاً کئی لوگوں کو موبائل فون، لیپ ٹاپ کا نشہ ہوتا ہے۔ ان پر بے تحاشا وقت برباد کرتے ہیں تو وہ بھی حرام ہیں لیکن شیطان نے یہ سارے کام مزین کر دکھائے ہیں۔

یہ سب کام ہمیں شیطان نے مزین دکھا دیے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ دوست بھی شیطان کا کام کرتے جو آپ کو برے کاموں کی طرف راغب کرتے ہیں اگر کوئی دوست آپ کو برے کام کی طرف راغب کرتا ہے تو وہ بھی شیطان ہے۔"

"لیکن فاتح تم نے راستے بتا دیے لیکن ہر راستے پر تو شیطان ہے آخر بندہ جائے کدھر اگر ہر جگہ شیطان ہے تو پھر خدا کدھر ہے؟ اگر میں کہوں کہ میرے تو دل میں بھی شیطان ہے اب میں کس طرف جاؤں؟"

علی نے فکریہ لہجے میں کہا۔

فاتح کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"اس کا مطلب غور سے سن رہے ہو؟"

"ہاں! کیوں نہیں ویسے ایک بات بتاوں اللہ کی باتیں سیدھی دل پر لگتی ہیں۔"

علی نے شانے اچکائے۔

"یہی تو اللہ کے کلام کی طاقت ہے جب قرآن نازل ہو رہا تھا تو عرب کے بڑے بڑے مشرک قرآن سن کر کانوں میں انگلیاں دے کر بھاگ جاتے تھے کیونکہ ان کا دل پگھل جانے لگتا تھا۔

اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق کو بھی دیکھو نا انہوں نے بھی قرآن سے امپریس ہو کر اسلام قبول کیا۔

میری بات تمھیں بری لگے گی لیکن ہماری حالت بھی عرب کے ان جاہلوں کی سی ہے۔

جانتے ہو ابو جہل (جاہلوں کا باپ) کون تھا؟"

علی نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ عرب کا سب سے زیادہ پڑھا لکھا، ذہین، شاطر دماغ شخص تھا لیکن قرآن نے اسے جاہلوں کا باپ کہا ہے۔

قران میں جاہلیت کا معیار تعلیم نہیں، تقویٰ ہے۔ آپ کو حق بات معلوم ہونے کے باوجود اس سے روگرانی کرنا یہ ہے جاہلیت اور افسوس امت مسلمہ زیادہ تر جاہل ہوگئی ہے۔ سب کے پاس علم ہے اور عمل نہیں۔ قرآن کہتا ہے:

"جب بڑا دن آئے گا تو ہو جائے گا معلوم کہ تم نے کیا آگے کیا اور کیا پیچھے چھوڑا"

اس کا مطلب عمل نہیں ترجیح ہے۔

مطلب تم نے دنیا کو آگے کیا یا آخرت کو؟

پہلی ترجیح کس کو دی غفلت کے گھر دنیا کو یا عاقبت کے گھر بہشت کو۔

تم نے پوچھا کہ کن راستوں پر شیطان نہیں ہے؟
تم نے غور نہیں کیا شاید.... دو راستوں پر تو شیطان نہیں ہے۔''
فاتح مسکرا رہا تھا۔
''کونسے؟''
''اوپر اور نیچے.......''
''اوپر مطلب دعا...
اور نیچے مطلب سجدہ یہ دو راستے ایسے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی فرشتہ بھی نہیں آسکتا شیطان تو دور کی بات ہے۔
سجدہ انسان کو اللہ سے ہمکلام کرتا ہے اور دعا بھی انسان کو اللہ سے ہمکلام کرتی ہے۔ یہ وہ راستے ہیں کہ جن پر شیطان نہیں ہے اور انہی سے بندہ باقی راستوں میں آسانی مانگ سکتا ہے۔ اپنے مستقبل کے لئے دعا کرو! سجدہ کرو!
یا اللہ! جو میرے لئے بہتر ہے مجھے وہ عطا کر!
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سب تقدیر میں لکھا جا چکا دعا کا کیا فائدہ ؟
انسان پر مختلف لمحے آتے ہیں جب وہ لاچار ہوتا ہے اس کا سہارا کوئی نہیں ہوتا اس کے دل کو سکون نہیں ملتا تو اس کا حل اس دعا میں ہے۔
چاہے کوئی کچھ بھی کہے لیکن رو کر مانگنے والے کا ایمان پہاڑوں سے بھی طاقت ور ہے۔ پھر دعا کے ذریعے ہی اللہ آزمائش دور کرتا ہے دلوں کو سکون اور شیطان کے راستوں سے محفوظ رکھتا ہے۔''
آذان ہو رہی تھی ......فاتح نے مسکراتے ہوئے ابرو اچکائے۔
''کیا خیال ہے؟''
''وہی جو تمہاری خواہش.....''
دونوں مسکرا کر مسجد کی طرف چل دیے۔
☆......☆......☆

نایاب چیزیں

بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی کوئی قیمت نہیں دینی پڑتی، لیکن وہ بذاتِ خود بہت قیمتی ہوتی ہیں، مثلاً اچھی بات، حُسنِ اخلاق، مسکرانا، خندہ پیشانی سے ملنا بھٹکے ہوؤں کو رستہ دِکھانا، کسی مسلمان کی پریشانی دور کرنا وغیرہ وغیرہ، اور اگر اِن میں نیک نیتی بھی شامل ہو جائے تو اجر و ثواب بھی ہاتھ آتا ہے۔
اللہ ہمیں اچھے خصائل و اعمال کی توفیق سے مالا مال فرمائے، آمین

وثیقہ بنت زبیر

ہیروں کی مالا

فاطمہ ساجد

کسی ملک میں ایک بادشاہ رہتا تھا جو بہت اچھی طبعیت کا مالک تھا لیکن اس کے برعکس ملکہ بہت گھمنڈی عورت تھی اسے اپنے ملکہ ہونے پہ بہت فخر تھا۔

اور ان کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام صنوبر تھا وہ سولہ، سترہ سال کی ایک بہت خوبصورت لڑکی تھی وہ بہت نرم دل لڑکی تھی۔ اسنے اس بات کا کبھی غرور نہیں کیا کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی ہے۔

اسی وجہ سے صنوبر کی بہت سی سہلیاں تھی اور ان میں سے ایک اس کی بچپن کی سہیلی تھی وہ دونوں ہم عمر تھی جس کا نام مرینہ تھا۔

مرینہ کی ماں ایک غریب گھر سے تھی اور وہ محل میں کام کرتی تھی۔

ایک دن جب مرینہ اور صنوبر محل میں اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھی تو صنوبر کی ماں اس کے کمرے میں آئی اس نے اپنے گلے میں ایک بہت خوبصورت ہیروں کی مالا پہنی ہوئی تھی جس میں بہت ہی خوبصورت سے ہیرے لگے ہوئے تھے جس کو دیکھ کر اچانک سے مرینہ بولی۔

”مہارانی! آپ نے بہت پیاری مالا پہنی ہوئی ہے۔کیا میں اس کو چھو سکتی ہوں؟“

”نہیں ،بلکل نہیں تمھاری اتنی اوقات نہیں کہ تم میرے اتنی مہنگی مالا کو ہاتھ لگا سکو“ ملکہ کو اپنی چیزوں پہ بہت گھمنڈ تھا۔وہ بہت الگ ڈیزائن کے کپڑے اور ہار وغیرہ پہنتی تھی لیکن یہ ہیروں کی مالا اسے بہت پسند تھی۔ملکہ نے اس کو جھڑکتے ہوئے کہا جس سے مرینہ کی آنکھ سے بے اختیار آنسو آ گئے۔

”اور صنوبر! تم سے کتنی بار کہا ہے کہ اس جیسی غریب لڑکیوں کو دوست نا بنایا کرو یہ اچھی

نہیں ہوتیں. بہت چالاک ہوتی ہے۔تم کیوں بھول جاتی ہو کہ تم ایک بادشاہ کی بیٹی ہو،میں نے کتنی بار منع کیا ہے کہ ان کو دوست نا بنایا کرو تمھاری اور بھی تو دوستیں ہیں ان کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتی ہو؟''

ملکہ کو مرینہ بلکل پسند نہیں تھی اس لیے ملکہ نے مرینہ کے ساتھ ساتھ صنوبر کو بھی. بہت سی باتیں کر کے واپس اپنے کمرے میں چلی گئی صنوبر نے مرینہ کو دیکھا جو رو رہی تھی اس نے مرینہ کو چپ کروایا۔

تھوڑے دن گزرے تھے کہ پورے محل میں شور مچ گیا کہ ملکہ کا ہیروں کا ہار گم ہوگیا ہے۔جس وجہ سے بادشاہ نے سب کو دربار میں جمع کیا ہوا تھا اور سب کی تلاشی لی جا رہی تھی لیکن کسی کے پاس بھی وہ ہار نا ملا۔

ملکہ بہت پریشان ہوگئی تھی...... کہ اچانک سے وہ بولی۔

''بادشاہ سلامت! مجھے پتہ چل گیا ہے کہ ہار کس نے چرایا ہے'' یہ کہنا تھا کہ سارے محل میں خاموشی چھا گئی۔

''جی مہارانی!!! بتائیں ہمیں کہ آپ کو کس پہ شک ہے؟''

ملکہ نے سائیڈ پہ کھڑی مرینہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

''بادشاہ سلامت! اس لڑکی نے ہی میرا ہیروں کا ہار چوری کیا ہے'' یہ کہنا تھا کہ وہاں موجود سب لوگوں نے مرینہ کی طرف دیکھا جو حیرانی سے ملکہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ ملکہ اس پر اتنا بڑا الزام کیسے لگا سکتی ہے؟

لوگ ایک دوسرے سے چہ مگوئیاں کرنے لگے کہ اتنے میں صنوبر کچھ بولنے لگی تو ملکہ نے اسے چپ کروا دیا۔

کیوں کہ ملکہ کو پتہ تھا کہ وہ مرینہ کے حق میں ہی بولے گی اور یہ بات ملکہ کو پسند نا تھی۔ مرینہ وہاں کھڑی رو رہی تھی۔ ساتھ اس کی ماں کھڑی تھی اور اس کی اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ بادشاہ کے آگے کچھ بولے۔

''اس لڑکی کو جیل میں بند کر دیا جائے اور اس کو چوری کی سزا ضرور ملے گی'' بادشاہ نے اسے جیل میں بند کرنے کا حکم جاری کر دیا یہ دیکھ کر صنوبر. بہت پریشان ہوئی اسے اپنی سہیلی پہ پورا بھروسہ تھا کہ مرینہ کبھی بھی چوری نہیں کر سکتی تھی اس کی ماں جان بوجھ کر مرینہ پہ الزام لگا رہی تھی۔

سپاہی مرینہ کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھے مرینہ اور اس کی ماں دونوں رونے لگ گئی ایک ماں یہ کیسے دیکھ سکتی ہے کہ اس کی بیٹی کو اس کے سامنے پکڑ کر جیل میں بند کر دیا جائے سپاہی مرینہ کا پکڑ کر جیل میں بند کر دیا اور سارے لوگ دوبارہ سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

اور اس کی ماں وہی کھڑی اپنی بیٹی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

مرینہ جیل میں قید تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے جب ہار چرایا نہیں تو ملکہ اس پہ اتنا بڑا الزام کیوں لگا رہی ہے۔

"اے اللہ! مجھ پہ اتنا ظلم کیوں ہو رہا ہے میں نے تو وہ ہار نہیں چرایا تو پھر مجھ پہ یہ الزام کیوں لگا میں نے تو آج تک کسی سے غلط نہیں کیا پھر میرے ساتھ اتنا غلط کیوں ہو رہا ہے؟

اے اللہ! تو اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے انہیں مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔ اے اللہ! مجھے اس قید سے رہائی دے دیں!"

وہ یہ سب اللہ سے کہہ رہی تھی اور ساتھ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

ملکہ اپنے کمرے میں گئی اس نے بکس سے اپنی وہی مالا نکالی اور اسے ہاتھوں میں لے کے بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

"اب وہ مرینہ میری بیٹی کے نزدیک بھی نہیں آئے گی۔ ایک نوکرانی کی بیٹی ہو کہ میری بیٹی کے ساتھ اس نے دوستی کی ہوئی ہے اس کو اپنی حثیت کا نہیں پتہ کہ وہ ایک نوکرانی کی بیٹی ہے اور اس نے ایک ملکہ کی بیٹی کو سہیلی بنایا ہوا ہے۔

اتنے میں اچانک دروازے پہ دستک ہوئی ماں وہ۔۔۔ ابھی صنوبر کچھ کہنے لگی تھی کہ اس نے دیکھا اس کی ماں کے ہاتھ میں وہی مالا تھی جس کے گم ہونے کا الزام مرینہ پہ لگا یا گیا تھا۔

صنوبر مالہ دیکھ کر بہت حیران ہوئی وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی ماں مرینہ پہ اتنا بڑا الزام لگائے گی وہ بھی صرف اس لیے کہ صنوبر نے اس سے دوستی کی تھی اور اس لیے کہ وہ ایک نوکرانی کی بیٹی تھی۔

ملکہ نے جلدی سے وہ مالہ پیچھے چھپانے کی کوشش کی لیکن صنوبر نے وہ مالا اپنی ماں کے ہاتھ میں دیکھ لی تھی۔

"ماں! یہ مالا؟؟" ابھی صنوبر کچھ کہنے لگی تھی کی اس کی ملکہ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے چپ کروایا اور کہا۔

"سنو صنوبر! میری بیٹی! میں نے یہ سب تمھاری بھلائی کے لیے کیا ہے۔ اب وہ نوکرانی کی بیٹی تمھارے آس پاس نہیں آئے گی"

صنوبر یہ سب باتیں سن کر بہت پریشان ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی بے قصور کو اتنی بڑی سزا ملے۔ صنوبر بہت حساس لڑکی تھی۔ وہ کبھی کسی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتی تھی اور اب تو بات اس کی سہیلی کی تھی جو شروع سے اس کے ساتھ تھی۔

وہ چپ چاپ سے کمرے سے واپس آ گئی اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ مرینہ کو جیل سے کیسے رہا کروایا جائے۔

صنوبر کے ذہن میں ایک بات ترکیب سوجھی وہ جلدی سے مرینہ کی ماں کے پاس گئ جو اپنے کام میں مصروف تھی صنوبر نے دیکھا کہ اس کی ماں بہت پریشان تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس نے سامنے دیکھا تو صنوبر کھڑی تھی۔

"راجکماری صنوبر! آپ یہاں؟"

وہ جلدی سے کھڑی ہوئی۔

”جی میں نے آپ سے ایک بات کرنی تھی“
صنوبر نے اسے ساری بات بتادی کہ کیسے اس کی ماں نے جھوٹ بول کر مرینہ کو پھنسایا ہے اور اب وہ کیسے اس کو جیل سے چھڑواسکتے ہیں۔

وہ یہ سب بتا کہ واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صبح کے وقت اس نے اپنی ماں کے کمرے میں دیکھا تو اس کی ماں بہت پریشان تھی صنوبر نے پوچھا، کیا ہوا ماں آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔

ملکہ نے بتایا کہ اس کی ہیروں کی مالہ سچ میں گم ہوگئی ہے لیکن اس نے یہ بات بادشاہ کو بتانے سے منع کی کہ اگر وہ یہ بات بادشاہ کو بتائے گی تو وہ بہت غصے میں آجائیں گے کیوں کہ پہلے تو ہیروں کی مالا گم نہیں ہوئی تھی تو ایسے ہی مرینہ پہ الزام لگایا گیا اور اب تو سچ میں ہیروں کی مالا گم ہوگئی ہے۔

صنوبر اور ملکہ نے مل کر اس مالا کو ڈھونڈا لیکن وہ مالا نا ملی اب تو ملکہ کو پورا یقین ہوگیا تھا کہ وہ مالا گم ہو چکی ہے۔

”ماں!“ صنوبر نے اپنی ماں کو بلایا اور کہا۔
”ماں! آپ نے مرینہ پہ غلط الزام لگایا ہے آپ نے جھوٹ بول مرینہ کو جیل میں بند کروادیا اور اب دیکھیں آپ کی وہ مالا اب چوری ہوگئی ہے۔“

ملکہ کو اس وقت اپنی غلطی کا بہت احساس ہوا کہ اس نے بے قصور کو جیل میں بند کروایا ہے تو اب اس کی غلطی کی سزا ملی ہے کہ وہ مالا چوری ہوگئی۔

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ بات ابھی جا کر بادشاہ کو بتائے گی اور مرینہ کو جیل سے آزاد کروائے گی آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا

وہ بادشاہ کے پاس پہنچی اور کہا۔
”آداب! بادشاہ سلامت! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔ بادشاہ جو اپنے کام میں مصروف تھے انہوں نے ملکہ کو دیکھا ان کے چہرے پر پریشانی کی اثرات تھے اور ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہیں۔

مجھے آپ سے مرینہ کے بارے میں بات کرنی ہے مہربانی کر کے اسے جیل سے رہا کر دیں وہ بے قصور ہے اس نے میری مالا نہیں چرائی تھی وہ تو میں نے اسے جیل میں بند کروانے کے لیے اس پہ الزام لگایا تھا۔(بادشاہ حیرت سے ملکہ کی طرف دیکھ رہے تھے اور ملکہ بات کرتے جا رہی تھی)۔

اور اب میری وہ مالا سچ میں چوری ہوگئی ہے میں چاہتی ہوں کہ آپ میری وہ مالا پورے محل میں سے تلاش کروائیں اور اب اصلی چور کا پتہ کریں۔“

بادشاہ نے یہ سب بات غور سے سنی اور انہیں بہت غصہ آیا لیکن وہ خاموش رہے اور سپاہی کو حکم دیا کہ وہ مرینہ کو یہاں لے آئے تھوڑی دیر کے بعد مرینہ اس کی ماں اور صنوبر دونوں کمرے میں داخل ہوئی جہاں پہ بادشاہ اور ملکہ دونوں بیٹھے تھے

صنوبر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اس کے ہاتھ میں وہی ہیروں کی مالا تھی جو ملکہ کی چوری ہوئی تھی۔سب وہ مالا دیکھ کر بہت حیران ہوئے اس

سے پہلے کہ کوئی کچھ پوچھتا صنوبر بولی۔

”مجھے معاف کر دیں ماں! میں نے آپ کی یہ مالا چھپا دی تھی کیوں کہ اس دن جب آپ نے مرینہ پہ الزام لگایا تھا تو اس کے بعد میں نے آپ کے ہاتھ میں وہ مالا دیکھی مجھے بہت افسوس ہوا کہ آپ نے ایک بے قصور پہ الزام لگایا ہے۔

اور آپ کو آپ کی غلطی کا احساس دلانے کے لیے مجھے یہ ترکیب سوجھی تو میں نے یہ سب کچھ کیا اور اس میں میری مدد مرینہ کی ماں نے کی“ یہ سب باتیں سن کر ملکہ نے صنوبر اور مرینہ کو گلے لگالیا۔مرینہ آج بہت خوش تھی کہ اللہ نے اس کی سن لی۔اللہ کبھی بھی اپنے بندوں کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

اور ملکہ کو بھی اب احساس ہو گیا تھا کہ سب انسان ایک جیسے ہیں امیر ہو یا غریب سب برابر ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

دل کی صفائی

اگر آپ کو ایک کمرے کی صفائی پر مامور کیا جائے جو دھول اور جالوں سے اٹا ہوا ہو۔جس کے دیوار و در کا رنگ اڑا ہوا ہو اور جس میں سجے فانوس و گلدان کی چمک پوری طرح ماند پڑ چکی ہو۔

کیا کریں گے آپ؟ کیسے کریں گے اسے صاف؟ میرے حساب سے درست اقدام کی ترتیب کچھ یوں ہوگی۔

1۔سب سے پہلے وہ کھڑکیاں وہ دریچے بند کیجیئے ،جہاں سے مزید دھول و گندگی اندر نہ آسکے۔

2۔اس کے بعد اب جھاڑو پونچھا کپڑا لگا کر دھول و جالوں کو صاف کیجیئے۔

3۔جب صفائی ہو جائے تو پھر در و دیوار پر رنگ و روغن کیجیئے۔

4۔آخر میں پورے کمرے میں جہاں جہاں بھی درکار ہو خوب پالش کر کے چمکا ڈالیئے۔لیجیئے ہو گیا کمرہ صاف! بلکہ نیا نویلا۔شائد پہلے سے بھی زیادہ جاذب و شاندار! کیا سوچ رہے ہیں کہ یہ مجھے کیا سوجھی جو کمرے کی صفائی کا طریقہ بتا رہا ہوں؟ اور طریقہ بھی وہ جو شائد آپ کو پہلے سے ہی معلوم تھا؟ اچھا اب ایسا کیجیئے کہ کمرے کی صفائی کے بجائے قلب کی صفائی کا اہتمام کیجیئے۔

یعنی پہلے نظر و فکر کی کھڑکیاں دریچوں پر کنڈی لگا کر پہرہ بٹھا کر قلب کے کمرے میں مزید گناہ و منفیت کا داخلہ بند کر دیجیئے۔پھر توبہ و استغفار کا کپڑا مار کر گناہوں کی دھول و سیاہی رگڑ رگڑ کر صاف کر دیجیئے۔

امینہ نور

شرارت

"واہ منٹی! آج پھر بہت مزہ آئے گا۔ لال لال اناروں کے رس کا بھی اپنا مزہ ہے...... ساری بھوک تو انہیں کھا کر ہی ختم ہو جاتی ہے۔"

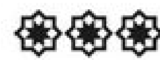
شنٹی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے...... ہوئے کہا۔

"میں تو پورے کے پورے دس اناروں میں اپنا گھر بناؤں گی۔"

منٹی نے اپنے پر جھاڑے اور اڑتے ہوئے ان دونوں سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔

"ارے نہیں ۔۔۔ میری بات سنو! آج اس بوڑھی بوا کے ہاں جانے کا ارادہ ملتوی کر دو۔ کل بھی تم دونوں کی شرارتوں پر وہ تمہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔"

چنٹی نے ان دونوں کو سمجھانا چاہا۔


میمونہ ارم شاہ



"آج تو انہیں میں چھوڑوں گی نہیں۔"

چشمے کو اپنی بڑی سی ناک پر چپکائے اس نے ایک مضبوط سی لکڑی اٹھائی اور اس کے سرے پر کپڑا باندھنا شروع کر دیا۔

"اب میں دیکھتی ہوں ......کہ مجھے کیسے پریشان کرتی ہیں۔"

اس کے ماتھے پر سجی تیوریوں میں اضافہ ہوا جا رہا تھا۔ اب وہ ماچس میں سے تیلی نکال رہی تھی اور دور کہیں سے بھن بھن کی آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں اس کی مکروہ ہنسی کی طرح۔

❁❁❁

”ہائے چنٹی! تم تو بہت ڈرپوک ہو۔تم شاید بھول رہی ہو ہم زہریلی مکھیاں ہیں اگر وہ بڑھیا ہمیں روکے گی تو ہم اسے کاٹ لیں گی اور پھر وہ سوجا ہوا چہرہ لے کر بیٹھی رہے گی۔“

منٹی نے اپنی رفتار کم کی اور چنٹی کے قریب آتے ہوئے نخوت سے کہا۔

”یہ مت بھولو ملکہ مکھی نے ہم سب کو یہی سکھایا ہے بلاوجہ کسی کو کاٹنا نہیں ہے اور یہ بات نہ ماننے والے کو جھنڈ سے الگ کر دیا جائے گا۔“

چنٹی چاہے عمر میں ان دونوں سے چھوٹی تھی لیکن تھی بہت سمجھدار۔ اس نے اپنے تئیں پھر سے انہیں ملکہ مکھی کا فرمان سنا کر کوئی بھی بری حرکت کرنے سے باز رکھنا چاہا۔

”ہاہاہاہا! ملکہ مکھی کو بتائے گا کون؟ یہ بڑھیا؟ جسے خود نہ تو ٹھیک سے سنائی دیتا ہے نہ دکھائی اور تم تو ایسا کرو گی نہیں۔تم ہماری سب سے اچھی بہن ہو۔ہے ناں؟“

شنٹی نے یہ کہتے ہوئے منٹی کو آنکھ ماری۔

یہ دیکھ کر منٹی نے تاسف سے سر ہلایا۔

”ادھر آؤ وہاں پر سورج مکھی کے پھول دکھائی دے رہے ہیں چلو ان سے جا کر کچھ خوراک لیتے ہیں۔“

چنٹی نے ان کا دھیان بٹانا چاہا۔

”ان مرجھائے پھولوں کے پاس جا کر انہیں ہماری طرف سے دعا سلام کہنا۔ہم دونوں تو اناروں کا رس ہی پئیں گے۔چل شنٹی!“

منٹی نے یہ کہتے ہی شنٹی کا ہاتھ پکڑا اور وہ بھن بھن کرتی ہوئیں چنٹی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔

”ان دونوں کا کیا بنے گا...... یا اللہ! آپ ہی انہیں سمجھائیں۔“

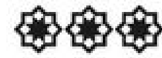
یہ کہتے ہوئے چنٹی نے آسمان کی طرف دیکھا۔



مکھیوں کے جھنڈ میں سب سے شرارتی مکھیاں منٹی اور شنٹی تھیں جنہوں نے سب کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ باقی سب مکھیاں تو ملکہ تک خوراک وقت پر پہنچا دیتیں لیکن وہ دونوں اپنی چکنی چپڑی باتوں کی وجہ سے انہیں بھی بہلانے سے باز نہ آتیں۔ پچھلے کچھ دنوں سے ان دونوں نے بوڑھی بوا کے آنگن میں لگا انار کا پودا تاڑ رکھا تھا جس پر بڑی جسامت کے لال لال انار لگے ہوئے تھے۔وہ دونوں مل کر ان اناروں پر دھاوا بول دیتیں جس کی وجہ سے ان میں جگہ جگہ سوراخ ہو گئے تھے اور باقی کیڑے مکوڑوں کو ان میں گھس کر انہیں خراب کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

جھنڈ کی سب مکھیاں صرف پھولوں کے پاس جا کر اپنی خوراک کی ضرورت پوری کر لیا کرتیں کیونکہ یہ ملکہ کا حکم تھا کہ خواہ مخواہ کسی پودے یا انسان کو پریشان نہ کیا جائے لیکن ان دونوں کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ بوڑھی بوا کچھ روز تو سب کچھ برداشت کرتی رہی لیکن اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

اب وہ صبح سے ہی ان مکھیوں کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔



"اوئے منٹی! وہ دیکھ میٹھے میٹھے انار۔۔۔"
شنٹی نے بوڑھی بواجی...... کے آنگن میں اترتے ہوئے کہا۔
"اب ہوگی یہاں ہماری حکمرانی۔۔۔"
شنٹی نے بھی اپنے پروں کے بل پر یہاں وہاں ہوا میں غوطے لگائے۔
"چنٹی بہت بزدل ہے۔ اسے زندگی جینا کب آئے گا۔ اب یقیناً وہ کسی پھول سے اس کی داستان سن رہی ہوگی۔"
وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن تھیں کہ اچانک انہیں اپنے پاس آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دکھائی دیئے۔
"شنٹی! بھاگو۔۔۔!"
بوکھلاہٹ میں منٹی نے کہا اور اندھا دھند اڑنا شروع کر دیا۔
"ہائے اللہ میرا پر!"
شنٹی کی چیخ بلند ہوئی جو بوڑھی بوا کے قہقہے میں دب کر رہ گئی۔ بالآخر دونوں مکھیاں بے سدھ ہو کر نیچے زمین پر گر گئیں۔
"ہونہہ! بڑی آئی تھیں مجھ سے پنگا لینے والی۔"
بوڑھی بوا نے ایک نظر ان دونوں کی طرف دیکھا جو مکمل جل چکی تھیں اور دوسری نظر دور آسمان میں سنائی دیتی "بھن بھن" کی طرف دیکھنا چاہا لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ ہاتھ ملتی ہوئی برآمدے کی طرف چل دی۔
اتنے میں ایک مکھی نیچے اتری وہ چنٹی تھی۔ ان دونوں کو گرا ہوا دیکھ کر وہ ان کے پاس آئی جو مری تو نہیں تھیں لیکن درد سے کراہ ضرور رہی تھیں۔
"میں نے تم دونوں کو منع کیا تھا ناں"
ان دونوں کی حالت دیکھ کر اسے...... بہت دکھ ہو رہا تھا۔
"ہماری غلطی کی سزا ہمیں مل چکی ہے...... اب جلدی سے کسی پھول کا رس لے آؤ پیاس سے جان نکل رہی ہے۔"
منٹی اور شنٹی نے بیک وقت کہا وہ اس حالت میں چنٹی کا لیکچر نہیں سن سکتی تھیں۔
"انار کا شربت نہ لا دوں؟"
چنٹی نے منہ بناتے ہوئے کہا اس نے شکر ادا کیا کہ وہ دونوں بچ چکی تھیں۔
"نہیں ہماری توبہ!"
منٹی اور شنٹی کے چلا کر کہنے پر وہ ہنس پڑی اور ان دونوں کو سہارا دیتی ہوئی سورج مکھی کے پھول پر لے آئی جس نے کھلے دل سے انہیں سہارا دیا تھا۔ بھوک مٹا کر اپنے ٹوٹے پروں کے ساتھ آئندہ کے لیے ان دونوں نے ایسی شرارت نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا جس پر اب چنٹی کو مکمل یقین تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں کیونکہ انہیں سبق مل چکا تھا۔

ذوالفقار علی بخاری

سرفروش

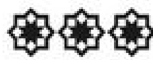
''سامعین!

اہم اطلاعات آرہی ہیں کہ فلسطین میں پھر سے حالات خراب ہو چکے ہیں''

خبر سنتے ہی انعام نے ٹی وی کو بند کر دیا۔

اُس کا غصہ عروج پر آچکا تھا، وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر ایک ٹانگ سے معذور ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ جہاد پر نہیں جا سکا تھا مگر اُس کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ ضروری نہیں کہ میدان جنگ میں جا کر لڑا جائے، اُس نے سوچا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے شاعری کی بدولت لوگوں کے جذبات کو اُبھار کر آزادی کی جنگ لڑنے والوں کا ساتھ دینے کی بات کرے گا۔

قلم کے ذریعے بھی جہاد کیا جا سکتا تھا، اُس نے اپنی شاعری سے سوئے ہوئے ضمیر کو جگانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔



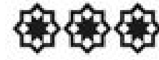
''جو بھی ہو، اب پانی سر سے اُوپر ہو رہا ہے، میں اپنی شاعری سے آگ لگا دوں گا'' انعام نے اپنے دوست شاہ نواز سے کہا۔

''سوچ لو کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے''

شاہ نواز نے انعام کی ضد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

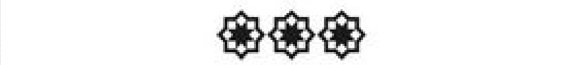
''جب تک کوئی آواز بلند نہیں کرے گا تب تک کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں نے جب سے آنکھ کھولی ہے فلسطین کے لوگوں کو آزادی کی جنگ لڑتے ہی دیکھا۔

انعام نے نم آنکھوں سے کہا تو شاہ نواز خاموش ہوگیا اور پھر یوٹیوب پر ایک وڈیو بنا کر اپ لوڈ کر دی تاکہ معصوم لوگوں کے حق میں اپنی آواز بھی بلند کر سکے۔



اگلے روز آن لائن مشاعرہ ہو رہا تھا جس میں انعام فلسطین کے حوالے سے شاعری پڑھ رہا تھا۔

ناچ ہے وحشت کا
لٹتی ہیں عصمتیں
ٹوٹتے ہیں بدن
پھوٹتی ہیں آنکھیں
بلند ہیں نعرے آزادی کے
بھوک سے تڑپتی ننھی روحیں
لٹ رہے ہیں سہاگ
لٹ گئی سکھ کی فضائیں
کون کہتا تھا قبلہ اوّل اُسے
چیخ و پکار کی دُہائی سنو!
اے ابن قاسم!
اے شبیر کے پروانے
کہاں ہو تم؟
بنت حوا کی صدا سنو!
اب آ ہی جاؤ
دیکھو! ذرا دیکھو!
آنکھیں بھی ہیں نم
دوپٹے بھی ہیں اُترنے کو
فلسطین ہمارا پھر سے
اب جلنے کو ہے
بکھر گئے ہیں آشیانے
کہاں گئے امن کے داعی
منہ نوچے کوئی ان بھیڑیوں کے
بچانے کوئی تو آئے سلگتے فلسطین کو



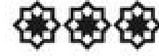
چند نوجوانوں کو انعام کی شاعری نے سر پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں کودنے پر مائل کر دیا تھا......آئے روز قابض فوج کے خلاف کاروائیاں ہو رہی تھیں......

ہاتھوں میں سنگ لیے بچے بھرپور مقابلہ کر رہے تھے......

آزادی کی قیمت چکانے پڑتی ہے، اس لئے سب اپنی طرف سے بھرپور کوشش کر رہے تھے کہ وہ سرفروش بنے رہیں ،آزادی ایک نہ ایک دن حاصل ہونی ہی ہے۔

انعام کو اخبارات کے مطالعے سے علم ہوا تھا کہ ایک فلسطینی نوجوان ایم۔اے کی ڈگری لینے کے تین بعد شہید ہوگیا تھا۔اُس کے مستقبل کے خواب دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، اُس کو قابض فوج کی جانب سے ہونے والی بمباری نے

شہید کر دیا تھا مگر اُس جیسے کئی نوجوان آزادی کی شمع کو دل میں بجھنے نہیں دے رہے تھے۔اُن کے سب سے اہم وطن کی آزادی کا دفاع تھا۔



''ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ یہ اتنا کچھ سہہ کر بھی بلند حوصلہ ہیں''......

قابض فوج کے ایک افسر نے دیگر ساتھیوں سے کہا......

''یہ ایمان کی قوت سے مالا مال ہیں''۔

دوسرے افسر نے لقمہ دیا۔

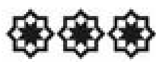
''ارے! یہ موت سے خائف نہیں ہیں تب ہی''۔

تیسرے نے ہنستے ہوئے بات کہی۔

''حیرت کی بات ہے کہ عالمی سطح پر سب ان کے حوالے سے بات نہیں کرتے پھر بھی یہ بھرپور قوت سے لڑ رہے ہیں''۔چوتھے افسر نے اپنی بات کہی۔

''سرفروش اپنی جان کی بازی آزادی کے حصول تک لگاتے ہیں''

ایک جونیئر سپاہی نے جسارت کرتے ہوئے بات کہی تو سب خاموش ہو گئے۔



اگلے روز اخبارات میں آنے والی خبر بے حس انسانوں کا ماتم کر رہی تھی۔

''ایک زخمی ننھے فلسطینی بچے کی تصویر پاسپورٹ پر ......آویزاں کر دی گئی ہے''۔

انعام نے اخبار میں بچوں کے ہاتھوں میں سنگ دیکھ کر مصلّے پر بیٹھ کر اُن ننھے سرفروشوں کی کامیابی کی دعائیں کرنا شروع کر دیں





ہر مشرک ڈرپوک ہوتا ہے... ہوا سے، پانی سے، درخت سے، پہاڑ سے، غرض ہر چیز سے ڈرتا ہے بعض مُوحّد (ایک خدا کو ماننے والے) بھی ڈرتے ہیں یہ گناہوں کا وبال ہوتا ہے گنہگار بزدل ہو جاتا ہے، یہ قاعدہ ہے:

"جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے دنیا کی ہر چیز ڈرتی ہے اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اسے دنیا کی ہر چیز ڈراتی ہے" (جواہر الرشید)

انعام اللہ

ایک سچے واقعے کی دلنواز داستان

محبت

ابوشفاء



ایک تُرک مُسلمان مسجد نبوی شریف کے احاطے میں کھڑے ہوکر اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرتا ہے۔

میں وہاں کھڑا دیکھ رہا تھا کہ چار پولیس والے کسی کا انتظار کر رہے ہیں، پھر ایک شخص نمودار ہوا تو پولیس والوں نے بھاگ کر اُسے قابو کرلیا اور اُس کے ہاتھ جکڑ لئے۔

نوجوان نے کہا:

مجھے دعاء اور توسل کی اجازت دے دو......

میری بات سن لو......میں کوئی بھکاری نہیں ہوں، نہ چور ہوں،

پھر وہ جوان چیخنے لگا، میں نے اُسے دیکھا تو ایسے لگا جیسے میں اُسے جانتا ہوں، میں بتاتا ہوں کہ میں نے اُسے کیسے پہچانا:

دَراصل میں نے اُسے کتنی ہی دفعہ بارگاہ رسالت میں روتے ہوئے دیکھا تھا!!

یہ ایک البانوی نوجوان تھا،

جس کی عُمر 35 یا 36 سال کے درمیان تھی

اس کے سنہری بال اور ہلکی سی داڑھی تھی۔

میں نے پولیس والوں سے کہا:

جب اِسکا کوئی جُرم نہیں ہے تو تم اِس کیساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو،

آخر کیا الزام ہے اِس پر؟......

اُنھوں نے مجھے کہا:

ارے او تُرک،!......

تُو پیچھے ہٹ...... اِس معاملے میں بولنے کا
تُجھے کوئی حق نہیں۔
لیکن میں نے پھر سے کہا:
آخر اس کا تُمھارے ساتھ کیا مسلہ ہے؟ کیا
اِس نے کوئی چوری کی ہے؟
اُنہوں نے کہا:
نہیں، یہ بندہ 6 سال سے اِدھر مدینے شریف
میں رہ رہا ہے، لیکن اس کا یہ قیام غیر قانونی ہے؛ ہم
اِسے پکڑ کر واپس اِس کے ملک بھیجنا چاہتے ہیں،
لیکن یہ ہر دفعہ ہمیں چکمہ دے کر بھاگ جاتا
ہے اور جا کر روضہ رسول میں پناہ لے لیتا ہے، اور ہم
اِسے اندر جا کر گرفتار نہیں کرنا چاہتے تھے۔
میں نے پُوچھا:
تو اب اِس کیساتھ کیا کرو گے؟
کہنے لگے: ہم اسے پکڑ کر جہاز پر بٹھائیں
گے اور واپس البانیا بھیج دیں گے.
نوجوان مسلسل روئے جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا:
کیا ہو جائے گا اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو؟
دیکھو، میں کوئی چور نہیں ہوں!!
میں کِسی سے بھیک نہیں مانگتا!!
میں تو اِدھر بس مُحبت رسول میں رہ رہا ہوں،
پولیس والوں نے کہا:
نہیں، ایسا جائز نہیں ہے،
نوجوان نے کہا:
اچھا مجھے ذرا آرام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے ایک عرض کر لینے دو،
پھر نوجوان نے اپنا منہ گُنبد خضراء کی
طرف کر لیا،
پولیس والوں نے کہا:
چل کہہ، جو کہنا ہے،
تو نوجوان نے گُنبد خضراء کیطرف دیکھا اور
جو کُچھ عربی میں کہا، میں نے سمجھ لیا،
وہ نوجوان کہہ رہا تھا:
یارسول اللہ،
کیا ہمارے درمیان اِتفاق نہیں ہُوا تھا......
کیا میں نے اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑا......
کیا اپنی دُکان بند کر کے اپنا گھر بار نہیں
چھوڑا تھا......
اور یہ عہد کر کے یہاں نہیں آیا تھا کہ آپ
کے جوارِ رحمت میں رہا کروں گا؟
حضور! اب دیکھ لیجیئے،......
یہ مُجھے ایسا کرنے سے منع کر رہے ہیں.
یارسول اللہ، یارسول اللہ،
آپ سفارش کیوں نہیں فرماتے......
یارسول اللہ، آپ سفارش کیوں نہیں فرماتے،
اِتنے میں نوجوان بے حال ہونے لگا...... تو پولیس
والوں نے ذرا ڈِھیل دی اور نوجوان نیچے گر گیا،
ایک پولیس والے نے اسے ٹُھڈا مارتے
ہُوئے کہا:......
اودھوکے باز اُٹھ......

لیکن نوجوان نے کوئی رَدِعَمل ظاہر نا کیا۔......

میں نے پولیس والوں سے کہا:

یہ نہیں بھاگے گا تم حمامات سے پانی لاؤ......اور اس کے چہرے پر ڈالو......لیکن نوجوان کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا،......ایک پولیس والے نے کہا: اِسے دیکھو تو سہی کہیں یہ سچ مچ مر ہی نا گیا ہو۔

دوسرا پولیس والا کہنے لگا:

اِسے ہم نے کون سی ایسی ضرب لگائی ہے، جس سے یہ مر جائے، پھر اُنہوں نے ایمبولینس والوں کو فون کیا، وہ اُدھر سامنے والے سات نمبر گیٹ سے ایک ایمبولینس لے آئے۔

اُنہوں نے نوجوان کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ کر حرکت نوٹ کی اور نَبض چیک کی تو کہنے لگے:

اِسے تو مَرے ہُوئے 15 منٹ گزر چکے ہیں۔

☆......☆......☆

اب پولیس والے جیسے مُجرم ہوں......نیچے بیٹھ گئے اور رونے لگے......وہ منظر بھی دیکھنے والا تھا، اُن میں سے ایک تو اپنے دونوں زانوؤں پر ہاتھ مارتے ہُوئے کہتا تھا:

ہائے ہَمارے ہاتھ کیوں نہ ٹُوٹ گئے

☆......☆......☆

کاش ہَمیں معلوم ہوتا کہ اِسے رسول اللہ سے اتنی شدید مُحبت ہے ہائے ہَمارے ہَاتھ کیوں نہ ٹُوٹ گئے۔

اِسکے بعد ایمبولینس والوں نے اُسے وہاں سے اُٹھالیا، اور جنت البقیع کی طرف تجہیز و تکفین والے حصے میں لے گئے،......غسل کے وقت میں بھی وہیں موجود تھا......میں اُنہیں کہتا تھا مجھے بھی ہاتھ لگانے دو، مجھے بھی اِسکی چارپائی کو اُٹھانے دو، جب جنازہ تیار ہو کر نماز کے لئے جانے لگا تو پولیس والوں نے مجھے کہا:......

ہم نے جتنا گناہ اٹھایا ہے،......بس اِتنا کافی ہے، اِسے ہَمارے سوا اور کوئی نہیں اُٹھائے گا، شاید اِسی طرح ہَمیں آخرت میں کُچھ رعایت مل جائے،

میرے سامنے ہی وہ نوجوان بار بار کہہ رہا تھا کہ ......یا رسول اللہ، آپ سفارش کیوں نہیں فرما رہے؟

دیکھا، رسول اللہ ﷺ نے سفارش فرما دی اور ملک الموت نے اپنا فریضہ ادا کر کے اُسے آپ تک ہمیشہ کیلئے پہنچا دیا۔

اللہ ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ویسی ہی مُحبت عطا فرمائے، جیسی اُس البانوی نوجوان کو عطاء فرمائی تھی۔ آمین ثم آمین

زندگی

سیدنا عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:......

شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح کے وقت شام کے منتظر نہ رہو، اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور زندگی کو موت سے پہلے۔

بنت نور الٰہی

عہدِ الست

حمیرا علیم

"دادو! دادو! کہانی سنائیں نا!" خبرہ اور عفیر بھاگے بھاگے آئے اور دادو کے لحاف میں گھس گئے۔

"ارے! ارے! تم لوگ ابھی تک سوئے نہیں؟" دادو نے پوچھا۔

"پہلے کبھی آپ سے کہانی سنے بغیر سوئے ہیں جو آج سوئیں گے؟" خبرہ نے کہا۔

"اچھا بھئی! اچھا! سناتی ہوں۔" دادو نے اپنی نو سالہ پوتی اور سات سالہ پوتے کو محبت سے دیکھا اور کہانی شروع کی۔

"یہ تو تم لوگ جانتے ہی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وعدہ پورا کرنے کی تاکید کی ہے۔

"عہد پورا کرو بیشک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔" (بنی اسرائیل 34)

اور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں کیا ہوا ہر وعدہ پورا کیا ہے۔

عبداللہ بن ابو حمساء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نبی بننے سے پہلے آپ سے ایک چیز خریدی اس کی کچھ قیمت میری طرف رہ گئی تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لا کر دوں گا۔ پھر مجھے یہ بات بھول گئی۔

تین دن بعد یاد آیا تو اسی جگہ گیا۔ دیکھا کہ آپ موجود ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے جوان! تو نے مجھے زحمت میں ڈال دیا میں تین دن سے تیرا انتظار کر رہا ہوں ۔''(سنن ابی داود 216)

''ہائے دادو! نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تین دن تک وہیں رہے گھر نہیں گئے؟'' عفیر نے حیرت سے کہا۔

''ہاں نا! آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وعدہ پورا کرنے کا اس قدر خیال تھا کہ آپ وہیں پہ موجود رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس آئیں اور آپ کو نہ پا کر مایوس ہو جائیں ۔'' دادو نے بتایا۔

''تم لوگوں کو معلوم ہے ہم سب نے بھی اللہ تعالیٰ سے ایک وعدہ کیا تھا؟'' دادو نے پوچھا۔

''نہیں ۔ہمیں تو معلوم نہیں ہے۔ پھر ہم تو کبھی اللہ تعالیٰ سے ملے ہی نہیں تو ان سے وعدہ کیسے اور کب کیا؟

آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔ ہم صرف جنت میں ہی اللہ تعالیٰ مل سکتے ہیں ۔'' خبرہ نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے ۔ پر یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہم سب سے لیا تھا جب ہماری روحیں پیدا کی تھیں'' دادو بولیں ۔

''اچھا! تو پہلے سب کی روحیں پیدا کیں اللہ تعالیٰ نے اور پھر انسان بنائے ۔'' عفیر نے سمجھ داری کا مظاہرہ کیا۔

''بالکل! اللہ تعالیٰ نے جب سارے انسانوں کی روحیں پیدا کیں تو انہیں اکٹھا کیا۔

قرآن پاک کی سورہ الاعراف کی آیات 172-173 میں اللہ تعالیٰ اس وعدے کا ذکر ایسے کرتے ہیں ۔

''وہ وقت یاد کیجئے جب آپ کے رب نے آدم کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا ۔''

''کیا میں آپ لوگوں کا رب نہیں ہوں؟''

انہوں نے عرض کیا۔

''جی ہاں! آپ ہی ہمارے رب ہیں اور ہم اس پر گواہی دیتے ہیں ۔''

ہم نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ روز قیامت آپ یہ نہ کہہ دیں کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے یا یہ نہ کہہ دیں کہ شرک کی ابتداء تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد میں ان کی نسل سے پیدا ہوئے ۔ پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا ۔''

''پر دادو مجھے تو ایسا کوئی وعدہ یاد ہی نہیں'' خبرہ نے بے بسی سے کہا۔

''ہا! ہا! ہا!'' دادو نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ اس لئے کہ جب ہم عالم ارواح میں روح کی شکل میں رہ رہے تھے تو یہ وعدہ لیا گیا تھا

لیکن جب ہم دنیا میں آتے ہیں تو وہاں کی کوئی چیز ہمیں یاد نہیں ہوتی۔

لیکن تم نے کبھی ایسا محسوس کیا ہے کہ کسی شخص کو ہم ملتے ہیں تو وہ ہمیں جانا پہچانا لگتا ہے حالانکہ ہم اس سے پہلی بار مل رہے ہوتے ہیں۔تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہماری روحیں عالم ارواح میں اکھٹی تھیں۔

ایسے ہی جب انسان پیدا ہوتا ہے تو بظاہر اسے کچھ بھی یاد نہیں ہوتا مگر جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اسے یہ پتہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ہی اسے تخلیق کیا ہے۔اسی لئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''ہر بچہ فطرت پہ پیدا ہوتا ہے''

یعنی ہر انسان مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب میں ایک خدا کا تصور موجود ہے مگر لوگوں نے اس کے شریک بنا لئے ہیں''

''دادو !اگر ایسا ہے تو سب لوگ مسلمان کیوں نہیں ہیں؟''عفیر نے پوچھا۔

''اس لئے کہ ان کے والدین انہیں جیسی تعلیم دیتے ہیں وہ ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔دیکھو نا یہ جو ہندو، عیسائی، یہودی وغیرہ مسلمان ہو جاتے ہیں تو اسی وجہ سے کہ ان کے ذہن میں یہ وعدہ موجود ہوتا ہے اور وہ اس کو یاد کر کے اللہ تعالی کی تلاش شروع کر دیتے ہیں اور جب قرآن پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں تو مسلمان ہو جاتے ہیں۔'' دادو نے سمجھایا۔

''اچھا تو دادو! جب ہم قرآن پڑھتے ہیں اور ہمیں یہ وعدہ یاد آجاتا ہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے کیونکہ ہم تو پہلے سے ہی مسلمان ہیں؟'' خبرہ نے سوال کیا۔

''ممم !ہمیں یہ کرنا ہے کہ صرف اللہ تعالی کی عبادت کرنی ہے اسی سے مدد مانگنی ہے اور اسی کی بات ماننی ہے۔''دادو نے کہا۔

''پر ہم تو صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔''عفیر نے کہا۔

''ہاں نماز تو ہم اسی کے لیے پڑھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں سے بھی اللہ جیسی صفات کو منسوب کر کے جب ان سے مدد مانگتے ہیں نا تو پھر ہم ان لوگوں کو اللہ کیطرح مان لیتے ہیں۔''

''پر ہم تو کسی کو اللہ کی طرح نہیں مانتے'' خبرہ بولی۔

''جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر نے ہمیں شفا دی۔گارڈ نے گھر میں چوری سے بچا لیا۔کسی پیر فقیر نے اولاد یا شفا دے دی تو یہ ہوتا ہے اللہ کا شریک بنانا'' دادو نے بتایا۔

''مطلب بندہ بیمار ہو تو ڈاکٹر کے پاس نہ جائے بس گھر پر ہی اللہ تعالی سے دعا کرے۔گارڈ نہ رکھے؟''عفیر نے دریافت کیا۔

''نہیں دوا بھی لینی چاہیے اور باقی دنیاوی

اسباب بھی استعمال کرنے چاہیے ہیں۔
مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب چیزیں اور لوگ ہمیں صرف اسی وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ دیکھو نا ڈاکٹر دوا دیتا ہے پر ہم پھر بھی ٹھیک نہیں ہوتے اور بعض لوگ ٹھیک ہو بھی جاتے ہیں تو مرجاتے ہیں اس لیے کہ اللہ کی یہی مرضی تھی۔

لوگ سی سی ٹی وی کیمراز لگاتے ہیں گارڈز رکھتے ہیں مگر چوری پھر بھی ہو جاتی ہے۔لوگ تعویذ لیتے ہیں پیروں مزاروں کے پاس جاتے ہیں مگر خواہش پھر بھی پوری نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہوتی۔

تو ہمیشہ یہ یاد رکھو کہ پہلے اللہ سے دعا کرو پھر کوئی بھی چیز استعمال کرو۔اسی لئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر کام کرنے سے پہلے اور کام ختم کرنے کے بعد دعا کی ہے۔

جیسے کہ تم لوگ بھی کھانا کھانے سے پہلے اور بعد، سونے اٹھنے، گھر سے باہر جانے اندر آنے وغیرہ کی دعائیں پڑھتے ہو۔تو بس یہی ہے اللہ کی عبادت اور اس کو ایک ماننا۔'' دادو نے کہہ کر ان سے پوچھا۔

''کچھ سمجھ آیا یا نہیں؟''

''جی آگیا'' دونوں نے بیک زبان کہا۔

''اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگنی چاہیے ان کی صفات میں بھی کسی کو شریک نہیں سمجھنا چاہیے اور صرف ان پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے کہ سب چیزیں وہی ہمیں دیتے ہیں یہ ہے ''عہد الست'' کو پورا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرح جب بھی کسی سے وعدہ کریں تو اسے ہر حال میں پورا کریں''

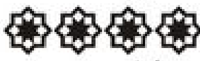
''ماشاءاللہ! شاباش اور یہ بھی یاد رکھنا یہ جو ہم کہہ دیتے ہیں نا کہ کوشش کریں گے یہ کام کرنے کی، آنے کی وغیرہ اور کوشش نہیں کرتے کہ وہ کام کریں تو یہ بھی وعدہ توڑنا ہی ہوتا ہے۔

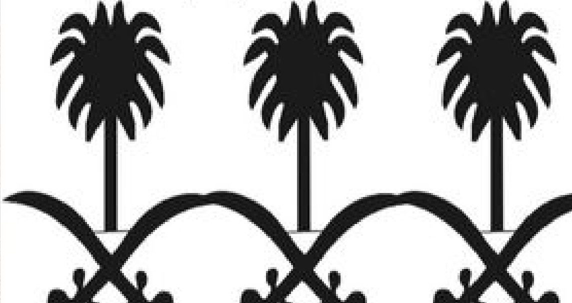
اگر کام کرنے کا ارادہ نہ ہو تو ایسا کہنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ کہہ دیں ان شاءاللہ اگر اللہ نے توفیق دی تو کرلیں گے۔ یا صاف بتا دیں کہ نہیں کر سکتے۔'' دادو نے سمجھایا۔

''اوکے دادو! ہم آئندہ محتاط رہیں گے۔ تھینک یو سو مچ دادو! آپ ہمیشہ ہمیں اتنی اچھی کہانی سناتی ہیں۔'' دونوں نے دادو کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''چلو بس اب اچھے بچوں کی طرح جا کر سو جاؤ! صبح فجر کے لئے بھی اٹھنا ہے۔''

دادو نے دونوں کو چومتے ہوئے کہا تو دونوں شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔





رسول اللہ ﷺ کی سواری



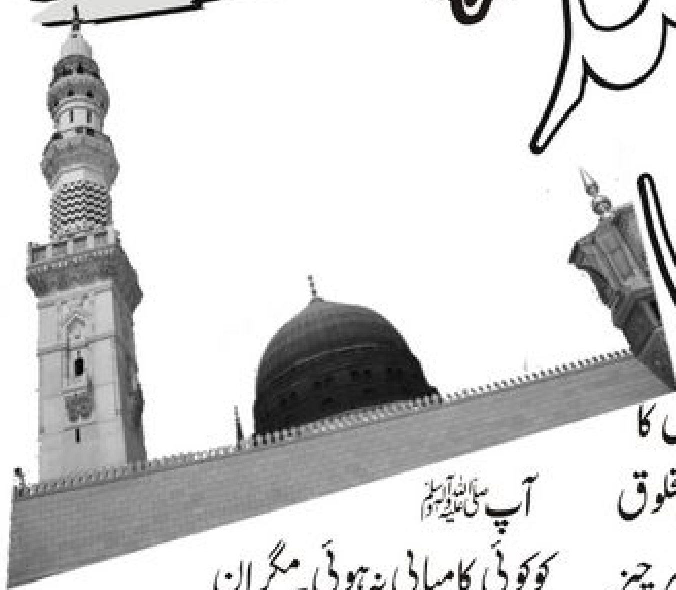
عمار حسین

چودہ سو سال پہلے کی بات ہے جب نہ راکٹ تھے اور نہ مصنوعی سیارے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ کام لیا جو نہ راکٹ، نہ مصنوعی سیارہ اور نہ کوئی وتیز رفتار جہاز کر سکتا ہے۔

میں براق ہوں۔میرے متعلق عجیب و غریب باتیں آپ نے سنی ہوں گی۔ میری شکل وصورت اور اوصاف کے متعلق مختلف لوگوں کا مختلف خیال ہے۔مگر حق یہ ہے کہ میں اللہ کی مخلوق ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔وہ ہر چیز سے پاک ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

میری کہانی کچھ اس طرح ہے کہ رسول اکرم ﷺ مجھ پر سوار ہو کر آسمانوں کی سیر کو گئے اور اس سفر میں عجیب وغریب واقعات پیش آئے اور ایسی باتیں ہوئیں جو انسان کی سوچ سے بالا تر ہیں۔مگر جو کچھ بھی ہوا وہ سراسر حقیقت تھی۔

یہ بات اُس وقت کی ہے جب وحی کو نازل ہوئے ابھی دس سال ہوئے تھے اور ان سالوں میں رسول اکرم ﷺ پر کفار نے بہت سختیاں کیں۔اسی دوران آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اور آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ انتقال فرما گئیں اور آپ ﷺ کے حکم پر بہت سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور ان ہی دنوں آپ ﷺ طائف کے سفر سے لوٹے جس میں



آپ ﷺ کو کوئی کامیابی نہ ہوئی۔مگر ان سب حالات کے باوجود پیارے نبی ﷺ دین کی دعوت دیتے رہتے اور اللہ کی مدد طلب کرتے رہے اور ہر حال میں صبر و شکر پر قائم رہے۔

میری کہانی اس واقعہ کے متعلق ہے جب میرے ساتھ رسول اکرم ﷺ کو معراج کا واقعہ پیش آیا۔یہ بات ستائیس رجب کی رات کی ہے۔

اس رات حضرت جبرئیل رسولِ اکرم ﷺ کے گھر گئے اور انھیں خانہ کعبہ لے کر آتے۔ میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔

خانہ کعبہ میں حضرت جبرئیل نے پیارے رسول ﷺ کے قلب کو زم زم کے پانی سے غسل دیا اور اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے قلب میں حکمت و ایمان بھر دیا۔ پھر حضرت جبرئیل نے پیارے نبی ﷺ کو مجھ پر سوار کرایا۔ پھر ہم اور جبرئیل برق رفتاری سے بیت المقدس پہنچ گئے۔

راستے میں مکہ سے کچھ دور ہمیں ایک قافلہ ملا جن کی اونٹنی ان سے علیحدہ ہوگئی تھی۔ پیارے نبی نے قافلہ والوں کو وہ جگہ بنادی جہاں پر اونٹنی موجود تھی۔ پھر ہمارا گزر دوسرے قافلہ پر ہوا جن کے اونٹ بدک رہے تھے جن میں سے ایک اونٹ کی پنڈلی ٹوٹ گئی تھی۔

ایک اور قافلہ ملا جس کے آگے آگے ایک اونٹ چل رہا تھا۔ جس پر دو کالی چادریں پڑی تھیں۔ رات میں ہمیں بہت سی چیزیں نظر آئیں جن کے متعلق پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتے تھے اور حضرت جبرائیل جواب دیتے جاتے تھے۔

راستے میں ایک دوشیزہ ملی جو نہایت حسین و جمیل تھی اور بہت خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اس نے پیارے نبی کو دیکھتے ہی اپنی طرف بلایا لیکن ہمارے پیارے نبی ﷺ نے کوئی توجہ نہ کی۔ جبرئیل نے کہا اے نبی یہ دراصل دنیا ہے جسے آپ کے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کوئی غرض نہیں۔

ہم کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو فصل اگاتے تھے اور کاٹتے تھے۔ وہ جیسے ہی پہلی فصل کاٹ پاتے دوسری فصل کاٹنے کے لئے نکل آتی تھی۔ پیارے نبی ﷺ نے جبرئیل سے سوال کیا یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے جواب دیا دراصل یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں جن کی ہر نیکی سات سو گنا بڑھ رہی ہے۔

اس کے بعد ہم نے بے نمازی اور زکواۃ نہ دینے والوں کو عذاب میں مبتلا دیکھا۔ ایک وقت ہوا کا ایک جھونکا آیا جس کے ساتھ عطر کی مانند خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ اس کے بعد ہم نے ایک اور آواز سنی جس کے متعلق پیارے نبی نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ یہ جنت بول رہی ہے کہتی ہے؟ ہمارے رب مجھے وہ نعمتیں عطا کر جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔

مثلاً کپڑے ہیں۔ سونے اور چاندی کے برتن ہیں۔ دودھ شہد اور پانی کی پاک شفاف نہریں ہیں۔ پس اے میرے رب اب مجھے اپنے برگزیدہ بندوں سے بھر دے۔ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔

پھر ہمارا گزرا ایک دوسری وادی سے ہوا

جہاں ہمیں بہت ہی ناگوار آواز سنائی دیں۔ پیارے نبی کے سوال پر حضرت جبریل نے کہا کہ یہ دوزخ کی آواز ہے۔ یہ کہہ رہی ہے کہ:

''اے میرے رب مجھے وہ عطا کر (یعنی تیرے نافرمان بندے) جس کا تو نے وعدہ کیا ہے کیونکہ ان کی سزا کے لئے میرے پاس انتہا کی گرمی ہے، آگ ہے۔

پاؤں میں ڈالنے کے لئے ان گنت بیڑیاں اور گلے میں ڈالنے کے لئے طوق پس اے میرے رب مجھے اپنے نافرمان بندوں سے بھر دے جن کا تو نے وعدہ کیا ہے۔''

بیت المقدس تک ہمارا سفر پلک جھپکنے میں طے ہوا۔ پیارے نبی ﷺ میری پیٹھ سے نیچے اترے۔ مجھے ایک ٹیلہ کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ وہ ٹیلہ ابھی تک بیت المقدس کے قریب ہے۔ اس پر اونچا گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ اس گنبد کو قبہ الصخرہ (ٹیلہ یا چٹان) کہتے ہیں۔ مجھے ٹیلہ کے پاس چھوڑ کر نبی کریم ﷺ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ جہاں تمام انبیا رسول ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سب کو نماز پڑھائی۔

بیت المقدس کے سفر کو اسراء کہتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد پیارے نبی ﷺ حضرت جبرئیل کے ساتھ میرے پاس آئے اور پھر ہمارا دوسرا سفر شروع ہوا۔ یہ سفر آسمانوں کی طرف تھا جسے معراج کہتے ہیں۔

جب رسول اکرم ﷺ پہلے آسمان پر پہنچے تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ دوسرے آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت عیسیٰ۔ حضرت یحییٰ اور حضرت ذکریا علیہ السلام سے ہوئی۔ تیسرے آسمان پر ہمارے نبی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملے۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان پر آپ ﷺ کا استقبال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے سدرۃ المنتہیٰ تک اپنے حضور بلوایا۔ جہاں آپ نے شکرانے کے طور پر اللہ کو سجدہ کیا۔ شکر اس بات کا تھا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں تک اس سے پہلے کوئی نبی نہیں پہنچا تھا۔ یہی وہ موقعہ ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد نبی ﷺ واپس ہوئے۔ انبیائے کرام علیہم السلام سے اجازت لی اور مجھ پر سوار ہوئے اور خانہ کعبہ کی طرف ہم واپس روانہ ہوئے۔ خانہ کعبہ پہنچ کر آپ ﷺ نے مجھے رخصت کیا اور اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔

دوسرے روز آپ ﷺ خانہ کعبہ تشریف لائے اور وہاں موجود لوگوں کو اس سفر کا واقعہ سنایا مگر کفار نے آپ ﷺ پر یقین نہ کیا۔ کافروں کا

سردار ابو جہل کہتا تھا۔ لوسن لو ہم تو پورے ایک ماہ میں بیت المقدس پہنچتے ہیں اور واپسی کے سفر میں بھی ایک ماہ لگتا ہے۔ مگر محمد دعوی کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں سے بیت المقدس جا کر واپس آگئے۔ یہ بحث جاری تھی کہ حضرت ابو بکر تشریف لائے اور پیارے نبی ﷺ کے قریب بیٹھ گئے۔ کفار نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر نبی ﷺ سچے ہیں تو بتائیں کہ مسجد اقصی کیسی ہے؟ دراصل کفار کو یہ گمان تھا کہ نبی ﷺ مسجد اقصی کے بارے میں نہ بتاسکیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی اس سے پہلے کبھی وہاں نہیں گئے تھے۔

پیارے نبی ﷺ نے مسجد اقصیٰ کے بارے میں ایک ایک چیز بڑی ترتیب سے بتائی شروع کی۔ ایسا لگتا تھا کہ مسجد اقصی ان کے سامنے ہو اور ایک ایک چیز کو دیکھ دیکھ کر بڑی تفصیل سے بیان کر رہے ہوں، یہ تفصیل سن کر کفار ششدر رہ گئے۔ حضرت ابو بکر نے نعرہ بلند کیا کہ اے نبی ﷺ! آپ نے جو کچھ کہا ہے۔ سچ کہا ہے۔

اس تفصیل کے علاوہ پیارے نبی نے ان قافلے والوں کے حالات بھی بتاتے جو انھیں راستہ میں ملے تھے۔ تھوڑے دنوں بعد وہ قافلے والے مدینے واپس ہوئے کفار کو پتہ چلا۔ نبی ﷺ نے جو باتیں قافلے، اس کے اونٹ اور اونٹنیوں کے متعلق بتائی تھیں۔ وہ حرف بحرف درست تھیں۔

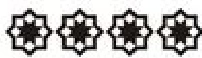
کفار سے اب کچھ نہ بن پڑا کہ وہ کیسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں۔ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ حضرت ابو بکر خوشی سے اعلان کرتے جاتے تھے۔

''اے پیارے نبی ﷺ! آپ نے سچ کہا ہے۔ اے پیارے نبی ﷺ! آپ نے سچ کہا ہے'' اور اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر کو صدیق کا خطاب دیا۔ اس دن سے آج تک حضرت ابو بکر کو صدیق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ ہے میری یعنی براق کی وہ سچی کہانی جو اسراء اور معراج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سفر جو ہم نے کیا نہ راکٹ کے بس میں ہے نہ مصنوعی سیارے کے، اور یہ سفر اس صدی میں نہیں ہوا بلکہ آج سے چودہ سو سال قبل ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سفر کے متعلق قرآن شریف میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

''پاک ہے وہ ذات جو ایک رات لے گئی اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصی تک جس کے ماحول کو اس نے بابرکت بنایا ہے تاکہ وہ اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھلائے۔ حقیقت میں وہی ذات یعنی اللہ دیکھنے اور سننے والا ہے۔'' (سورۃ بنی اسرائیل آیت 1)





سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

38

گورنر مدراس نے یہی سوچ کر ایک نیا معاہدہ تیار کرایا اور حیدر علی کے وکیل کے حوالے کر دیا۔ والیٔ میسور نے اس معاہدے کی تفصیلات سنیں تو غضب ناک ہوگیا۔

''کیا فرنگی یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان شرمناک شرائط پر ان سے صلح کرلوں گا؟ ہر گز نہیں۔ اس سے تو کہیں بہتر ہے کہ میں اپنی آزادی اور بقاء کی جنگ لڑتے لڑتے مارا جاؤں۔''

یہ کہہ کر نواب حیدر علی نے گورنر مدراس کے ترتیب دیئے ہوئے معاہدے کو چاک کر ڈالا اور مسودات کے کئی ٹکڑے کر کے سیتا جی پنڈت کے ہاتھ میں دے دیئے اور کہا۔

''یہی فرنگیوں کی پیشکش کا جواب ہے۔''

سیتا جی پنڈت دوبارہ مدراس پہنچا اور پھٹا ہوا مسودہ گورنر مدراس کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔

''نواب بہادر کی طرف سے آپ کی پیشکش کا جواب''

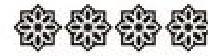
اپنی تحریر کا یہ حشر دیکھ کر گورنر مدراس مشتعل ہوگیا اور کچھ دیر تک ہذیان بکتا رہا۔ پھر بڑے تحقیر آمیز لہجے میں سیتا جی پنڈت کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''اس نے میری مصالحانہ پیشکش کو ٹھکرا کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ مگر میں پھر بھی اسے ایک اور موقع دیتا ہوں۔ حیدر علی کو لازم ہے کہ وہ مجھ سے اپنی اس سنگین گستاخی کی معافی طلب کرے اور مسودے کے ساتھ ساتھ وہ اس تحریر کو بھی

پڑھے جو ہندوستان کے درو دیوار پر لکھ دی گئی ہے۔''سیتاجی پنڈت نے گورنر مدراس کے الفاظ من وعن حیدرعلی کے گوش گزار کردیئے جنہیں سن کر والئی میسور نے ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ کہا۔

''اللہ ہی جانتا ہے کہ ہندوستان کے درودیوار پر کیا لکھ دیا گیا ہے۔

میں ان عارضی وفانی تحریروں کو کیا پڑھوں کہ یہ تو صبح وشام بدلتی رہتی ہیں۔''



انگریزوں کی اس چال کے بعد نواب حیدرعلی کو اندازہ ہوا کہ بڑی ہوشیاری سے اس کے گرد نیا جال بچھایا جارہا ہے۔والیٔ میسور نے نظام علی خان کے عہدو پیمان کی آزمائش کرنے کے لئے والیٔ دکن کو ایک خط تحریر کرایا اور مرزا اسد بیگ کے حوالے کردیا۔

مغل شہزادے اسد بیگ کو حیدرعلی اپنے بیٹے ہی کی طرح چاہتا تھا۔اگرچہ اسد بیگ،عمر کے اعتبار سے بیس بائیس سالہ نوجوان تھا لیکن بے پناہ ذہین اور مدبر تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سلطنت میسور کا جانثار تھا۔اسد بیگ کی ان ہی صفات سے متاثر ہو کر نواب نے اسے حیدرآباد کی سفارتی مھم پر بھیجا تھا۔والیٔ میسور نے اپنے خفیہ مکتوب میں والیٔ دکن کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

نظام علی خان! اب وقت آگیا ہے کہ ہم ایفائے عہد کے مفہوم کو سمجھیں اور معاہدے پر کھلے دل و دماغ سے عمل کریں۔گورنر مدراس نے میری تجویز کو مسترد کردیا ہے اور وہ بدستور والاجاہ محمد علی کی مدد کررہا ہے۔معاہدے کی رو سے ہم دونوں کے درمیان طے پایا تھا کہ نواب ارکاٹ کو اس کے عہدے سے معزول کرنے کی کوشش کریں گے۔لہٰذا بلاتاخیر والاجاہ محمد علی کے خلاف اپنی فوجی طاقت استعمال کیجئے۔میں آپ کے اشارے کا منتظر ہوں۔میرے سپاہیوں کے پاؤں رکابوں میں ہیں اور ہاتھ گھوڑوں کی لگاموں پر۔

نظام علی خان،والیٔ دکن نے حیدرعلی کے خط کے جواب میں لکھا۔

مجھے اس معاہدے کا ایک ایک حرف یاد ہے اور میں عہدو پیمان کے مفہوم کو بھی بخوبی سمجھتا ہوں۔مگر کیا کروں کہ بدقسمتی سے وقت کی رفتار میرے حق میں نہیں ہے۔میں ایک وقت میں دو محاذوں پر جنگ نہیں کرسکتا۔اس لئے ارکاٹ پر لشکرکشی سے معذور ہوں۔ویسے میرا دل آپ کے ساتھ دھڑکتا ہے اور میری تمام تر ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔آپ والاجاہ محمد علی پر یلغار کیجئے۔وقت سازگار ہوتے ہی میں بھی آپ سے آملوں گا۔

جب مرزا اسد بیگ،والیٔ دکن کا خط لے کر حیدرآباد سے روانہ ہوگیا تو نظام علی خان نے اپنے دیوان رکن الدولہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''میں نے اس دن کے لئے حیدرعلی سے

معاہدہ کیا تھا کہ اسے آفات و مصائب کے گرداب میں تنہا چھوڑ دیا جائے اور وہ وقت سر پر آ گیا ہے۔ عنقریب تم دیکھو گے کہ حوادثات کی بے رحم موجیں والیٔ میسور کو نگل جائیں گی۔ پھر اس جاہل کو اندازہ ہوگا کہ اہل دانش کتنی دور کی سوچتے ہیں۔''

حیدر علی چونکہ پڑھا لکھا نہیں تھا، اس لئے نظام علی خان اکثر اسے جاہل کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

''میں کسی قدر جانتا ہوں، حضور کے ہوش و خرد کی گہرائیوں کو''

دیوان رکن الدولہ بھی اپنے زمانے کا عبداللہ بن ابی (منافق اعظم) تھا۔ نظام دکن کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا اور اس عہد شکنی کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دینے لگا۔

''میں نے حیدر علی سے وہ معاہدہ برے وقت کو ٹالنے کے لئے کیا تھا۔ نظام علی خان کے ہونٹوں پر بڑی عیارانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا برا وقت گزر گیا۔ اب تو میں بہت دور سے تماشا دیکھوں گا۔ ایک شکار کے لئے دو بھیڑیے آپس میں لڑیں گے۔ پھر ان دونوں میں سے یقیناً کوئی ایک ہلاک ہو جائے گا اور دوسرا جو بچے گا، وہ اس قابل نہیں ہوگا کہ شکار پر قابو پا سکے۔ انجام کار'' نظام علی خان نے جان بوجھ کر اپنی بات نا مکمل چھوڑ دی۔

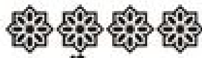
''پھر آپ اس شکار کو لے اڑیں گے۔''

دیوان رکن الدولہ نے نظام دکن کا جملہ مکمل کر دیا۔ ''اور پھر کسی میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ آپ کے راستے کی رکاوٹ بن سکے۔''

''تو بہت ذہین ہے رکن الدولہ'' نظام علی خان نے قہقہہ لگایا۔

''حضور کے جوتوں کی خاک کا صدقہ ہے کہ یہ غلام بھی اکسیر ہوگیا ہے۔''

رکن الدولہ نے والیٔ دکن کو سجدہ کر کے خوشامد کی کبھی نہ ختم ہونے والی کتاب میں ایک اور باب کا اضافہ کر دیا۔



نواب حیدر علی نے بڑے تحمل کے ساتھ نظام علی خان کا جواب سنا۔ حاضرین مجلس کا خیال تھا کہ والیٔ دکن کا یہ منافقانہ جواب حیدر علی کو برہم کر دے گا۔ مگر اس وقت تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے، جب حیدر علی مسکرانے لگا۔

''اب کون کس پر اعتبار کرے؟ لوگ اپنی خاندانی شرافت کی قسمیں کھاتے نہیں تھکتے۔ مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو اس طرح منہ پھیر لیتے ہیں کہ انہیں اپنے الفاظ تک یاد نہیں رہتے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس دور میں نجیب الطرفین لوگوں کی کیا روش ہے؟''

نواب حیدر علی اپنے امراء سے مخاطب تھا۔

''نواب بہادر کو یاد ہوگا کہ میں نے اس معاہدے سے اختلاف کیا تھا۔''

سپہ سالار محمد علی کمیدان پُر جوش لہجے میں بولا۔

اس کے چہرے پر شدید ناگواری کے آثار نمایاں تھے۔

''محمد علی! کیا تو ہم پر طعنہ زنی کر رہا ہے؟''

یکا یک والی میسور کی آواز بھی بلند ہو گئی تھی۔

''کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ تیرا نواب کم نظر ہے اور فریب کار نظام نے ایک چور چال سے حیدر علی خان بہادر کو مات دے دی؟''

''نہیں نواب بہادر!'' محمد علی کمیدان کے لہجے میں بھی سپاہیانہ جلال تھا۔

''محمد علی اپنے سردار کے کسی عمل پر طعنہ زنی نہیں کرتا، چاہے وہ عمل کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ میں نے برسر عام آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور محمد علی کا یہ مزاج نہیں کہ وہ کسی آزمائش کے وقت میں اپنی بیعت کو توڑ ڈالے۔''

''پھر تو کیا کہنا چاہتا ہے؟''

نواب حیدر علی نے اپنے سپہ سالار سے پوچھا۔

''میں تو نواب ارکاٹ اور والیِٔ دکن کو ایسا سبق سکھانا چاہتا ہوں جسے تاریخِ ہند صدیوں تک یاد رکھے۔''

محمد علی کمیدان کا لہجہ کچھ اور پُر جوش ہو گیا تھا۔

نظام نے اس کاغذ کے پرزے کئے ہیں جو بڑا قیمتی تھا۔ انسانی جان سے بھی زیادہ قیمتی۔ اس کا گناہ نا قابل معافی ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ اس کے اقتدار کے ٹکڑے کر ڈالیں۔''

''صبر کر! محمد علی! صبر کر!''

نواب حیدر علی اپنے سالار کا جلتا ہوا چہرہ دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''کہاں تک صبر کروں، نواب بہادر! مجھے آپ سے بڑی شکایت ہے۔''

اچانک محمد علی کمیدان کے چہرے پر اذیت و کرب کا رنگ نمایاں ہو گیا۔

''دشمنوں سے طویل جنگ ہوئی مگر میرے دل کے ارمان ابھی تک نہیں نکلے۔ آپ نے مجھے اس محاذ پر بھیجا جہاں انسانی خون کی بہت قلت تھی۔ میری شمشیر کی پیاس تو کیا بجھتی، اس کے ہونٹ بھی تر نہیں ہو سکے۔''

''اسی لئے تو تجھ سے بار بار صبر کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔'' نواب حیدر علی کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

''وہ دن دور نہیں جب تو بھی مطمئن ہو جائے گا اور تیری شمشیر کی پیاس بھی بجھ جائے گی۔''

نواب حیدر علی جانتا تھا کہ اس کا سالار اپنے قول میں بہت سچا ہے۔ ابھی یہ فوجی اجلاس جاری تھا کہ نواب حیدر علی کے جاسوسوں نے ایک پریشان کن خبر دی۔ ان کی اطلاع کے مطابق انگریزی فوج کا ایک تازہ دم دستہ بنگلور کی طرف بڑھ رہا ہے۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ گورنر مدراس نے نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی کے سلسلے میں والیٔ میسور کے مراسلے کو مسترد کر دیا تھا اور اس کے

ساتھ ہی کرنل اوڈ کی قیادت میں بہترین سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج بنگلور پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دی تھی۔

بازی اُلٹ چکی تھی اور نواب حیدر علی کو پوری شدت کے ساتھ کسی نئی سازش کا احساس ہو رہا تھا۔ والیٔ میسور نے لمحوں میں فیصلہ کیا اور چند گھنٹوں میں اپنی جنگی حکمت عملی ترتیب دی۔

کچھ دن پہلے بنگلور کے محاذ پر انگریز کمانڈر مائیکل رابرٹ کو شکست دینے کے بعد ٹیپو سلطان کے حوصلے بھی بلند ہو گئے تھے اور بیٹے پر نواب حیدر علی کا اعتماد بھی بڑھ گیا تھا۔ اس لئے والیٔ میسور نے ولی عہد سلطنت کو مدراس کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ میر علی رضا خان تنجاو پر اور غازی خان چتوڑ پر بڑے جارحانہ انداز میں بڑھے۔ ان سرداروں کو حکم تھا کہ تمام علاقے لوٹ کر انہیں ویران کر دیا جائے۔

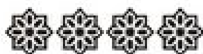
نواب حیدر علی ایک تعمیری انسان تھا۔ اسے خوش حالی اور سر سبز و شاداب بستیوں کو اجاڑتے وقت شدید اذیت پہنچتی تھی۔ مگر کیا کرتا کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ اتحادی فوجوں کے لئے سامان رسد کی ترسیل کو روکنے کا یہی ایک طریقہ تھا اور اپنی اس مجبوری کے تحت نواب حیدر علی نے یہ آمرانہ حکم جاری کیا تھا۔

اس کے بعد والیٔ میسور نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی کی طرف متوجہ ہوا جو کولار میں آرام سے بیٹھا سازشوں کے نئے جال بن رہا تھا۔ نواب حیدر علی اس ارادے سے آگے بڑھا کہ پائیں گھاٹ پر اتر کر نواب ارکاٹ کے علاقوں پر قبضہ کر لے۔

والیٔ میسور کے عزائم بڑے خطرناک تھے۔ وہ طوفان برق و باد کی طرح پائیں گھاٹ پہنچا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی فوجوں نے کشن گرمی، تریا تور، وانم باڑی، آمیور، سات گڑھ، کبیر ٹین، دھونی گڑھ اور ترچنا پلی پر قبضہ کر لیا اور تمام علاقوں کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔

حیدر علی کی پیش قدمی کی خبریں سن کر نواب والا جاہ محمد علی اور کرنل اسمتھ کی آنکھیں کھلیں۔ ورنہ اب تک وہ دونوں خوب صورت عورتوں اور شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کرنل اوڈ کا تازہ دم لشکر آسانی کے ساتھ بنگلور پر قبضہ کر لے گا اور حیدر علی کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ مگر آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ محض ایک خواب پریشاں تھا۔

کرنل اوڈ اپنی فوج لے کر باگلور کے راستے سے سمور کی طرف بڑھا کہ کسی طرح بنگلور پر قبضہ ہو جائے۔ حیدر علی کو خبر ہوئی تو اس نے پائیں گھاٹ سے نکل کر کرنل اوڈ کا راستہ روکا۔



اے راہِ وفا کے شہیدو!......

بنت مفتی ریاض حسین قاسمی

"رک جاؤ! ارے رک جاؤ! ابے تجھے سنائی نہیں دے رہا، رک جا!!"

ایک گرجدار آواز ضمیر کو جھنجھوڑنے والی آواز۔

"نہیں، نہیں مجھے نہیں رکنا چاہیے" اس نے دہلے ہوئے دل کے ساتھ سوچا۔

"اماں نے کہا تھا پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا سیدھا سکول جایا کرو اور چھٹی ہوتے ہی گھر آجایا کرو!"

اچانک اس کے دماغ میں عبدالغنی کا خیال آیا جب عبدالغنی کو امریکی فوجی اٹھا کر لے گئے تھے اور پورے ایک مہینے کے بعد جمع داروں کو کچرا اٹھاتے وقت اس کی لاش ملی تھی۔

یہ وقت اس کے سوچنے کا نہیں تھا بلکہ جان بچانے کا تھا۔ وہ اپنی سوچ میں اس طرح مگن ہوا جیسے بچپن کی یاد میں ہوا جاتا ہے، اچانک پیچھے سے کسی نے ایک ایسا زوردار دھکا دیا کہ گرنے کے بعد تھوڑی



دیر تو اس کے حواس بحال نہ ہوئے جب وہ اٹھا تو ایک اور زوردار تھپڑ رسید ہوا اور وہ دوبارہ نیچے گر گیا۔

☆......☆......☆

"کامران کے بابا! آج کامران کو سکول سے آتے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے۔ وہ ابھی



تک گھر نہیں پہنچا'' کامران کی ماں نے فکر مند ہو کر کامران کے ابا سے کہا۔

''ارے! تم پریشان نہ ہو، ابھی آتا ہی ہوگا'' کامران کے ابو یہ کہہ کر دوبارہ اپنے کام میں محو ہو گئے۔

کامران کی امی نے لمحہ بھر کچھ سوچا اور وضو بنا کر ایک کمرے کی طرف چل پڑیں۔ جائے نماز بچھا کر صلوۃ الحاجۃ پڑھنے لگیں۔ نہ جانے کیوں آج انہیں اپنا دل بھرا بھرا الگ رہا تھا۔

کسی اپنے کے چلے جانے بعد اس کی یاد میں دل بھر آتا ہے۔ صلوۃ الحاجۃ سے فارغ ہو کر انہوں نے اللہ کے حضور دعا کی اور دعا مانگتے ہوئے اچانک ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ آیا۔

روتے روتے اچانک انہیں کامران کا خیال آیا کہ وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچا۔ یہ خیال آتے ہی وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھیں اور باہر آ کر برآمدے میں لگی گھڑی پر سے ٹائم دیکھنے لگیں۔

ٹائم دیکھ کر انہیں ایک اور دھڑکا لگا۔ گھڑی شام کے چار بجا رہی تھی۔ اسے تو اب تک آ جانا چاہیے تھا، یہ سوچتے ہی ان کی زبان پر بے اختیار آ گیا۔

''رب انی مغلوب فانتصر''

(اے اللہ میں بے بس ہوں میری مدد فرما)

☆......☆......☆

کامران کا تعلق ایک نہایت غریب طبقے سے تھا مگر دینداری ان کے گھر کے ہر فرد سے واضح عیاں ہوتی تھی۔ کامران کے والد کا نام صابر تھا، اور کامران کی والدہ کا نام سمیہ بیگم تھا۔

سمیہ بیگم بہت ملنسار خاتون تھیں، ان کے خاندان کا ہر فرد ان کی تعریف کرتا تھا۔ ان کی دینداری کا چرچہ پورے خاندان بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ ان کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا عمران تھا جو میٹرک پاس کرنے کے بعد اپنے ابو کے ساتھ ایک چھوٹی سی پرچون کی دکان چلایا کرتا تھا، عمران سے چھوٹی ایک بیٹی تھی جس کا نام بختاور تھا، وہ دہم جماعت کی طالبعلم تھی، کامران صابر صاحب کا سب سے چھوٹا اور لاڈلہ بیٹا تھا۔ جس کی عمر تقریباً دس برس تھی۔ کامران ہمیشہ اپنی غیرت مندانہ طبیعت کی وجہ سے باقی بہن بھائیوں سے نمبر لے جاتا تھا۔ وہ چہارم کلاس کا طالبعلم تھا۔ وہ شہر کے ایک پرائمری سکول میں پڑھتا تھا۔

☆......☆......☆

رات کا اندھیرا چاروں جانب پھیل چکا تھا۔ کامران کے ابا شام پانچ بجے کے کامران کی تلاش میں نکلے اب تک نہ لوٹے تھے۔ سمیہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ عمران انہیں تسلی دینے میں مصروف تھا۔

اسی اثنا میں عشاء کی آذانوں کی آوازیں ہر

طرف گونجنے لگیں۔

☆......☆......☆

یہ وہ دور تھا جب افغانستان میں خانہ جنگی کے باعث ملک کی اقتصادی صورت حال نہایت خراب تھی۔شام ہوتے ہی سڑکیں سنسان ہوجاتی تھیں، شام ہوتے ہی سب لوگ اپنے اپنے دھندے سمیٹ کر گھر کی راہ لیتے۔

مسلمان مجاہدین اپنی پوری کوشش اور جذبے کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔

☆......☆......☆

کامران کے والد جب گھر واپس لوٹے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کا چھوٹا اور لاڈلہ بیٹا آج چارپائی پر بے سدھ پڑا تھا۔لوگ اس کے اردگرد جمع تھے۔سمیہ بیگم آج اپنے شہید بیٹے کو دیکھ کر خوشی کے آنسو بہارہی تھیں۔عمران اور بختاور کی آنکھیں پرنم تھیں۔

کامران آج سفید کفن میں لپٹا مسکرا رہا تھا گویا وہ جنت میں ملنے کا وعدہ دے رہا ہو۔صابر صاحب نے جب بھرائے ہوئے دل اور نم آنکھوں کے ساتھ کامران کو دیکھا تو ان کی زبان پر بے اختیار آ گیا۔

''شہید زندہ ہے''

☆......☆......☆

صبح تک کامران کے شہید ہونے کی خبر پورے خاندان اور محلے بھر میں پھیل گئی تھی، عمران سے ساری صورتحال معلوم کرنے پر صابر صاحب کو پتہ چلا کہ امریکی فوجیوں نے کامران کو شہید کر کے پرائمری سکول کے باہر پھینک دیا تھا۔عشاء کی نماز کے لیے جاتے ہوئے سلیم چچا کا گزر جب پرائمری سکول سے ہوا تو وہاں کامران کو خون میں لت پت پڑا دیکھ کر ان کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔

سلیم چچا نے چپکے سے شہید کے بدن کو اٹھایا اور ان کے گھر تک پہنچا دیا۔

☆......☆......☆

سلیم چچا صابر صاحب کے گہرے دوست تھے۔وہ صابر صاحب کے پڑوس میں رہتے تھے۔ان کی دوستی میں گہراؤ اس وقت آیا جب بختاور کا رشتہ سلیم چچا کے منجھلے بیٹے ارحم کے ساتھ طے پایا تھا۔سلیم چچا کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ ان کا بڑا بیٹا انیس اپنے بیوی بچوں سمیت ملک سے باہر رہتا تھا۔سلیم چچا کا منجھلا بیٹا ارحم کپڑے کا کاروبار کرتا تھا۔

☆......☆......☆

دراصل امریکی فوجیوں نے کامران کو مسلمان مجاہدین کے کیمپ میں جاتا دیکھ لیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی انہوں نے اپنے دل میں ایک ناپاک عہد کرلیا تھا۔

کامران اور اس کا دوست عبدالغنی مسلمان مجاہدین کے ایک چھوٹے سے کیمپ میں جاتے

اور انہیں چنوں سے بھرا ایک چھوٹا سا بستہ تھما کر واپس آ جاتے۔

ایک دن امریکی فوجیوں سے انہیں یہ سب کرتا دیکھ لیا تھا۔ تب سے وہ کامران اور عبدالغنی کا تعاقب کرنے لگ گئے تھے اور پھر امریکی فوجیوں نے موقع پا کر یکے بعد دیگرے دونوں کو شہید کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک دن صابر صاحب پرسکون ماحول میں بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے کہ اچانک ان کے ذہن میں ''ملا محمد عمر'' کا وہ جملہ گونج اٹھا جب انہوں نے مسلمان حکمرانوں سے کہا تھا کہ ''آپ حکومت اور اقتدار بچائیں ہم تاریخ بچائیں گے'' آج وہ تاریخ بچا بھی گئے اور بنا بھی گئے۔

یہ سوچتے ہوئے نہ جانے کیوں ان کی آنکھوں سے آنسو رخسار پر بہہ نکلے کیونکہ تاریخ بچانے میں لاکھوں مسلمانوں کی قربانی کے ساتھ کچھ نہ کچھ حصہ کامران کا بھی موجود تھا۔

''اے راہ وفا کے شہیدو! تجھے وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں''

❁❁❁❁

واٹس ایپ پر تحریر بھیجنے والے متوجہ ہوں!



اگر آپ اچھے قلمکار کہانی نویس اور مصنف بننا چاہتے ہیں تو ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

کی پیڈ پر انگلی چلانا کاغذ پر قلم سے لکھنے کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔ یہ عادت آپ کی تحریری صلاحیتوں کے لئے کئی طرح سے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس طرح لکھتے ہوئے آپ ٹھیک سے سوچ نہیں پاتے۔ لکھنے میں بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ جملے درست نہیں بن پاتے۔ دماغ جلدی تھک جاتا ہے اور آپ تحریر کو سمیٹنے کی کوشش میں بسا اوقات اس کا مزا خراب کر بیٹھتے ہیں۔ تحریر بہت مختصر رہ جاتی ہے اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ قلم سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔

اس لئے کوشش کریں کہ کہانی ہو یا خط، لطیفہ ہو یا سوال، نظم یا فلنگ کاغذ پر لکھیں اور پھر اس کا صاف فوٹو بنا کر وہ ہمیں سینڈ کر دیں۔ یہاں کمپوز کر لیا جائے گا۔ کوشش کریں تصویر بہت واضح بنائیں تاکہ کمپوزر کو مشکل نہ ہو۔

اگر آپ پہلے کاغذ پر لکھتے ہیں اس کے بعد ٹائپ کر کے بھیجتے ہیں تو بھی ٹھیک ہے اس گذارش کا مقصد صرف یہ ہے کہ قلم سے آپ کا تعلق مضبوط رہے۔ البتہ اس صورت میں تصحیح کا بہت اہتمام کریں۔ امید ہے آپ فائدے کی اس بات پر عمل کی پوری کوشش کریں گے۔

والسلام

مدیر

فون نمبر: 03127184199
Email:
musalmanbachay@gmail.com



دانیال حسن

شانِ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

آج جمعہ ہے اور سب بچے نانی اماں کے پاس مقررہ وقت پر جمع ہو چکے ہیں۔ ابتدائی باتوں کے بعد نانی اماں نے پوچھا۔

''ہاں بھئی بچو! امید ہے تمہیں پچھلی نشست کا اختتام یاد ہوگا۔ ہم امہات المومنین کے سلسلے کو پڑھ رہے ہیں اور اب ہم ام المومنین حضرت سودہ کے بارے میں جانیں گے۔''

سب بچوں نے پرجوش ہو کر جواب دیا، جی ہاں ہم تیار ہیں۔

تو نانی اماں نے بولنا شروع کیا۔

''تو سنو! حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قریش کے ایک قبیلے عامر بن لوی سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت سودہ کی والدہ کا نام شموس تھا جو مدینہ منورہ کے خاندان نجار کی خاتون تھیں۔ سودہ کا پہلا نکاح ان کے والد کے چچا کے بیٹے سکران بن عمرو سے ہوا تھا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اسلام کی دعوت کانوں میں پڑتے ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ان کے شوہر حضرت سکران بن عمرو نے بھی ان کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔

کفار کے مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے حبشہ کو ہجرت کی تو حضرت سودہ اور حضرت سکران مکہ مکرمہ ہی میں رہے۔ لیکن جب کفار و مشرکین کے ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کے ارادے سے عازم حبش ہوئی تو حضرت سودہ اور ان کے شوہر بھی ان میں شریک ہو گئے۔

یہ دونوں میاں بیوی کئی سال حبشہ میں قیام پذیر رہے۔ پھر واپس مکہ آ گئے۔ مکہ واپس آنے کے کچھ دن بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔ ازواج مطہرات میں حضرت سودہ پہلی خاتون ہیں جو حضرت خدیجہ کے بعد حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔''

''نائلہ! اب تم ہمیں حضرت سودہ کے نام و نسب کے بارے میں بتاؤ؟''

نائلہ نے جواب دیا۔

''آپ کا نام سودہ تھا،تعلق قبیلہ عامر بن لوی سے تھا، جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا،سلسلہ نسب یہ ہے، سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر ابن لوی، ماں کا نام شموس تھا، یہ مدینہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں، ان کا پورا نام و نسب یہ ہے، شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجا۔''

''عائشہ یہ بتاؤ، کیا حضور ﷺ سے پہلے حضرت سودہ نے کوئی نکاح کیا؟''

اب باری عائشہ کی تھی۔اس نے بولنا شروع کیا:

''سکران بن عمرو سے جو ان کے والد کے ابن عم تھے،ان کی پہلی شادی ہوئی،ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔''

''شاباش عائشہ! حسان! تم ہمیں اب اس سے آگے بتاؤ گے۔''

اب حسان نے بولنا شروع کیا۔

''حضرت سودہ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایک صالح حق پسند اور دور اندیش خاتون تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی غار حرا سے آفتاب ہدایت شرک و کفر کی ظلمتوں کو زائل کرنے کے لئے طلوع ہوا تو جن خوش بخت انسانوں نے اس کی نورانی شعاعوں سے اپنے اپنے دلوں کی دنیا کو منور کیا ان میں حضرت سودہ بھی شامل تھیں۔

چنانچہ سیرت نگاروں نے دعوت توحید کے پہلے تین سالہ دور میں اس پر لبیک کہنے والے جرات منداور حق پسند اشخاص کی جو فہرست مرتب کی ہے اس میں آپ کا اسم گرامی بھی نمایاں طور پر شامل ہے۔ اس سے آپ کے مزاج آپ کی طبیعت اور آپ کی فطرت کی وہ خصوصیت کھل کر سامنے آجاتی ہے جس کی بدولت تحریک اسلامی کی تاریخ میں آپ کو بلند مقام حاصل ہوا۔

اس دور کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے قبیلے بنی لوی میں سب سے پہلے ایمان لائیں۔ پھر آپ کی کوششوں سے آپ کے خاوند آپ کے میکے اور سسرال والوں نے بھی اسلام قبول کیا۔

آپ ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لائے۔اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک سودہ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے،لیکن جب مشرکین کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو ان میں سودہ اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے۔کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں اور سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی۔''

''شاباش بیٹا! تحریم یہ بتاؤ! حضرت سودہ کا رسول اللہ ﷺ سے نکاح کب ہوا؟''

تحریم گویا ہوئی: ''حضرت سودہ کو تمام ازواج مطہرات میں یہ فضیلت حاصل ہے کہ خدیجہ بنت خویلد کے بعد سب سے پہلے وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، حضرت خدیجہ کے انتقال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان و غمگین تھے، یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم عثمان بن مظعون کی بیوی نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ کے متعلق تھا، آپ ﷺ کے ایماء سے وہ سودہ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا، انعم صباحا، پھر نکاح کا پیغام سنایا، انہوں نے کہا، ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم شریف کفو ہیں، لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہو گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا، چار سو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبداللہ بن زمع سودہ کے بھائی جو اس وقت کافر تھے، آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔

حضرت سودہ کا نکاح رمضان سنہ دس نبوی میں ہوا اور چونکہ ان کے اور امی عائشہ کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے، اس لیے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے۔

''سبحان اللہ، احمد علی تم اب ہمیں حضرت خدیجہ کے فضائل کے بارے میں بتاؤ؟''

احمد علی نے بولنا شروع کیا۔

''حضرت سودہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے، صحابہ میں ابن عباس، ابن زبیر اور یحی بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔

اطاعت و فرماں برداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں، آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا، چنانچہ سودہ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے نہ نکلیں، فرماتی تھیں کہ میں حج و عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب رسول اللہ کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھونگی۔

سخاوت و فیاضی بھی ان کا ایک اور نمایاں وصف تھا اور عائشہ کے سوا وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا، اس میں کیا ہے؟ بولا درہم، بولیں کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت سبکو تقسیم کر دیا۔

وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں۔

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں، وہ اور حضرت عائشہؓ آگے پیچھے نکاح میں آئیں تھیں لیکن چونکہ ان کا سن بہت زیادہ تھا۔ اس لیے جب بوڑھی ہوگئیں تو ان کو شبہ ہوا کہ شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں اور شرف صحبت سے محروم ہو جائیں، اس بنا پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کرلی۔

ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ﷺ ہنس پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی، آپ ﷺ نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہہ ہو گیا، اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی، آپ ﷺ اس جملہ کو سن کر مسکرا اٹھے۔

ازواج مطہرات میں سودہ سے زیادہ کوئی بلند بالا نہ تھا، حضرت عائشہؓ کا قول ہے جس نے ان کو دیکھ لیا، اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں زرقانی میں ہے کہ ان کا قد لمبا تھا۔

''عفان! یہ بتاؤ، حضرت سودہؓ کی آپ ﷺ سے کتنی اولاد ہوئی؟''

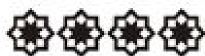
''آپ کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پہلے شوہر سکران نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا، جس کا نام عبد الرحمن تھا، انہوں نے جنگ جلولاء فارس میں شہادت حاصل کی۔''

''عبدالمجید یہ بتاؤ! حضرت سودہ کا انتقال کب ہوا؟'' عبدالمجید نے جواب دیا۔

''ایک دفعہ ازواج مطہرات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں، انہوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! ہم میں سے سب سے پہلے کون مرے گا، فرمایا: جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہے، لوگوں نے ظاہری معنی سمجھے، ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا ہاتھ سودہ کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے زینب بنت خزیمہ کا انتقال ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے آپ کا مقصد سخاوت وفیاضی تھی، بہرحال واقدی نے سودہ کا سال وفات 54 ہجری بتایا ہے۔ لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے عمر فاروقؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

حضرت عمر نے سنہ 23 ہجری میں وفات پائی ہے اس لیے سودہ کی وفات کا سال 22 ہجری ہو گا، خمیس میں یہی روایت ہے اور یہی ٹھیک ہے اور اس کو امام بخاری، ذہبی، جزری ابن عبد البر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے۔''

اتنے میں عشا کی اذان ہونے لگی۔ اذان کے بعد سب نماز کی تیاری کرنے لگے اور یوں یہ محفل برخواست ہوگئی۔



مجاہد بن محمد ارحابی

وہ کون تھے؟؟

وہ عرب کے معروف شہ سوار تھے۔تلوار بازی، نیزہ بازی، تیراندازی اور پہلوانی میں ماہر تھے۔ان کی بہادری کے چرچے بچے بچے کی زبان پر تھے۔

ایک روز آپ شکار کر کے واپس آئے،گھوڑا باندھا اور عادت کے مطابق خانہ کعبہ میں حاضری دی۔اس دوران ہی انہیں معلوم ہوا کہ ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں انتہائی نازیبا کلمات کہے ہیں۔یہ بات سن کر جوش میں آگئے۔فوراً گھر گئے،اپنے ہتھیار اٹھائے اور قریش کی محفل میں جا پہنچے،وہاں ابوجہل سردار بنا بیٹھا تھا،انہوں نے اپنا ہتھیار اس کے سر پر اس زور سے مارا کہ ابوجہل لہولہان ہوگیا،ساتھ ہی وہ بولے:

”آج کے بعد میں نے بھی اپنے بھائی محمد کا دین اختیار کرلیا ہے۔

جو مجھے روکنا چاہے روک سکتا ہے۔“

ان کا یہ بہادرانہ اعلان سب کو مرعوب کرگیا اور اس واقعے کے بعد کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ کہہ سکے۔

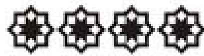
آپ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔اسلام قبول کرنے کے بعد ایک روز انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ وہ حضرت جبرائیل ؑ کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ آپ انہیں نہ

دیکھ پائیں گے لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو آپ ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو بلایا۔انہوں نے نگاہ اٹھائی۔پہلی نظر میں دیکھا کہ حضرت جبرائیلؑ کے دونوں پاؤں زمرد جیسے سبز ہیں اور بہت ہی بڑے ہیں تو ان پہ ہیبت طاری ہوگئی اور صرف اتنا دیکھتے ہی آپؓ بے ہوش ہوگئے۔

اسلام کا دوسرا معرکہ غزوہ احد تھا۔آپؓ اس معرکے میں جوان مردی سے لڑے یہاں تک کہ ایک موقع پہ آپ کا پاؤں پھسلا اور گر پڑے۔ گرنے سے ان کی زرہ اتر گئی۔عین اسی لمحے ایک بدبخت نے تاک کر نیزہ مارا جو سینے کے پار ہوگیا اور یوں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔آپؓ کو احد کے میدان میں ہی سپرد خاک کیا گیا۔

شہادت کے چھیالیس سال بعد میدان احد سے ایک نہر کی کھدائی کے دوران شہدائے احد کی کچھ قبور بھی کھل گئیں۔ان کے اجلے کفن سب کے سامنے تھے۔ایسے میں ایک کفن پہ غلطی سے بیلچہ لگا تو خون رسنے لگا۔کسی دیکھنے والے نے نشاندہی کی کہ یہ انہی کی قبر مبارک ہے۔تو قارئین کرام پہچانا؟ بتائیے ان کا اسم گرامی؟

نوٹ: وہ کون تھے سلسلہ ربیع الثانی کا درست جواب: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔



وہ کون تھے؟؟

شمارہ جمادی الاول ۱۴۴۴ ہجری کے انعام یافتہ

بنت ظہور احمد......انعام یافتہ

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

گلزار احمد۔عمار حسین۔دانیال حسن۔بنت عبدالہادی۔کفایت اللہ۔ محمد عمر۔عبدالمجید شاکر۔بنت عادل۔ہمشیرہ محمد احمد۔ہمشیرہ قاضی اصغر۔ قاری محمد جمیل۔زوجہ محمد رفیق۔عبدالمتین۔قاضی احمد۔بنت اللہ بخش۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

☆......ایک بات بتائیں، زندگی میں خوشیاں ہوتی ہیں یا خوشیوں میں زندگی ہوتی ہے؟

☆......انڈے میں مرغی ہوتی ہے اور مرغی میں انڈہ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

☆......اپنے قیمتی وقت میں سے آپ کیسے وقت دینا پسند کریں گے؟

نمبر ا: دوست

نمبر ۲: کتاب

نمبر ۳: سوچ و بچار

شکریہ

☆......شکریہ کو

(عائشہ، چیچہ وطنی)

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

☆......وہ کون سی چیز ہے جسے ہم دن میں کئی بار اٹھاتے بھی ہیں اور رکھتے بھی ہیں۔

☆......کھانے کی پلیٹ

(انیس احمد، کراچی)

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

☆......آپ کی ذہانت کا کافی چرچا سنا ہے،

آپ کا آئی کیو لیول کیا ہے؟

☆......ایک بار چیک کیا تھا میٹر سے آواز آئی "بس بھائی بس"

(ہمشیرہ محمد احمد)

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں شعر کا پہلا مصرعہ کیا ہونا چاہیے۔

☆......کپکپی چھوٹ جاتی ہے سردی میں نہانے سے۔

(محمد اویس)

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب

ہمارے ہاں ادیب کا ادب سے کتنا تعلق ہے؟

☆......جتنا ادب کا ادیب سے ہے تعلقات دوطرفہ ہوتے ہیں۔

(محمد ابوبکر، کہروڑپکا)

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

انسان کی دنیا میں سب سے بڑی کمزوری کیا ہے؟ ضرور جواب دیں۔

☆دنیا میں دنیا ہی انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

☆......☆......☆

محترم جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے آپ کے محل کی اونچائی دیکھ کر لگتا ہے آپ کو سردی بے انتہا لگتی ہوگی۔ تو کیا کرتے ہیں؟

☆فضول سوالات والے کاغذ جلا کر گرمی حاصل کرتا ہوں۔

(بنت قاری شاہد احمد)

☆......☆......☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

کھانا بہت کھاتا ہوں لیکن مجھے لگتا نہیں ہے۔ کیا کروں کہ مجھے کھانا لگنا شروع ہو جائے؟

☆ آپ کھانا کھائیں گے تو لگے گا کیسے؟ کسی کے ذمہ لگائیں کہ وہ آپ کو کھانا مار دیا کرے۔ خود کو خود ماریں گے تو بھی زیادہ نہیں لگے گا۔

(حنظلہ احمد، حیدرآباد)

❁❁❁❁

صرف اللہ کی قسم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"نہ تم آباؤ اجداد کی قسم کھاؤ، نہ ماؤں کی اور نہ بتوں کی، بلکہ صرف اللہ کی قسم کھاؤ، اور صرف اسی وقت کھاؤ جب تم سچے ہو۔"

(سنن النسائی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جمادی الاولیٰ کا شمارہ بروقت آن پہنچا، خوبصورت رنگوں سے مزین سرورق ماضی بعید کے شماروں کی یاد تازہ کرا رہا تھا۔

بھائی فیصل علی صاحب کو سرورق کہانی پر مبارک...... اور بہن تسلیمہ موسیٰ کو قسط وار کہانی کی اشاعت پر مبارک...... عطاء السلام کی ”بلیک پری“ ہمیشہ کی طرح شاندار تحریر ثابت ہوئی۔ پلاٹ عام تھا مگر تحریر جاندار اور شاندار تھی ”ہائے میرا پاؤں“ حقیقت سے قریب تر شاندار قصہ تھا۔

عبداللہ جان مہمند مسکراہٹ کے پھول کیا پورا پودا ہی لیکر آئے، ہم بہت ہی لطف اندوز ہوئے۔

امیر محترم کا مضمون ابھی ادھورا رہ گیا۔ سوال یہ تھا کہ کیا یہ مضامین تازہ لکھے جاتے ہیں؟

باقی رسالہ بھی شاندار تھا۔

اللہ جزائے خیر عطاء فرمائے

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

معزز قلم کار، قابل احترام قارئین کرام اور مذکورہ دونوں قبائل کو آپس میں جوڑے رکھنے والے مدیر محترم صاحب! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔

آدھی ملاقات



شمارہ جمادی الاول/ دسمبر کے مطالعے کے بعد چند الفاظ پیش خدمت ہیں۔

پہلے پہل موجود سرورق کہانی ”ہماری جنت“ اچھی کہانی تھی، محمد فیصل علی صاحب بہت اچھا لکھتے ہیں۔ ماشاء اللہ! اب دوہرے صاحب کتاب بن چکے ہیں۔

بچوں کے لئے تفریحی اور اصلاحی کہانیوں پر

مشتمل ان کی دوسری کتاب ''کہانیوں کا حملہ'' شائع ہو چکی ہے، مبارک باد قبول فرمائیں۔ تسلیمہ موسیٰ نے ''ہم غافل تو نہیں'' لکھ کر ہماری آنکھیں کھول دیں۔ ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ عبدالشکور ذلیل و رسوا ہی ہو گا۔

بنتِ حوا نے ''ہائے میرا پاؤں'' کے عنوان سے خوب لکھا۔ ''مسکراہٹ کے پھول'' لیے عبداللہ جان مہمند حاضر تھے۔ بہت اچھا انتخاب تھا۔ ''اکیس، اکیس'' اور ''مرغیوں کی بندر بانٹ'' نے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

''مان صاحب کا انتقام، ایم تجمل بیگ نے اچھی کوشش کی۔

محمد زبیر زائر نے ''فرشتے کا تحفہ'' پیش کر کے خوبصورت پیغام دیا۔

سیدہ ناجیہ شعیب احمد نے ''آبیل مجھے مار'' لکھ کر ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

کھابڑو میاں کو اللہ پاک صحت و تندرستی والی لمبی عمر عطا فرمائے۔

بہرام علی وٹو صاحب نے ''چوری'' کے عنوان سے عمدہ اور سبق آموز کہانی پیش کی۔

اب ہم بات کرتے ہیں ۔''ام المساکین حضرت زینب بنتِ خزیمہؓ'' کی تو اس کو لکھا تھا محترم دانیال حسن چغتائی صاحب نے، بہت عمدہ اور معلوماتی کہانی تھی۔

مولانا طارق نعمان گڑنگی نے ''مسواک ایک عظیم نعمت'' لکھ مسواک کے فوائد سے روشناس کرایا۔ عطیہ عروج، بلال محسن، محمد مستقیم، محمد بن طلحہ السیف کی تحریریں بھی خوب تھیں۔

مستقل سلسلے اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔

آرٹ گیلری میں تمام بچوں نے اپنی خوبصورت کاوشیں پیش کیں۔

ہمشیرہ بابر آفریدی شہیدؒ کی نظم بہت خوب تھی۔ مطلع بہت پسند آیا۔

نعرۂ تکبیر سے قسمت بدل
خامہ و تحریر سے قسمت بدل

خط پہلی بار لکھ رہا ہوں۔ سمیہ جہادی نے ''یقین'' جیسی خوب صورت تحریر لکھ کر ہمارے یقین میں مزید اضافہ کر دیا:

''حضرت محمد ﷺ پر درود شریف بھیجنے سے ہر دعا قبول ہوتی ہے اور ہر حاجت اور مراد پوری ہوتی ہے۔'' چوں کہ ہم نے بھی درود شریف پڑھ لیا ہے۔ اب یقین ہے کہ خط ضرور شائع ہو گا۔ اللہ رب العزت ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین......

والسلام!

عطاء السلام سحر

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے آپ سب کے ایمان، جان و مال اور صحت و عافیت کے لیے دعا گو ہوں۔

مسلمان بچے میگزین سے سینکڑوں ماہ پرانا تعلق ہے۔ ارے ہم نے تو سینکڑوں ماہ لکھا ہے اور آپ میں سے کچھ سینکڑوں سال پڑھ بیٹھے ہیں اور قدرے گھبرا بھی گئے ہیں چلیے اب تو تصیح ہوگئی۔

ماہ جمادی الاولی کا شمارہ بروقت مل گیا۔ مطالعہ شروع کیا تو سب سے پہلے اداریہ نے روک لیا۔ مدیر صاحب لیکھک خواتین وحضرات کے ستائے ہوئے نظر آرہے تھے اور ان کی سب باتیں دل کو لگیں، میری جملہ لکھاریوں سے درخواست ہے کہ آپ "نیکی کر دریا میں ڈال" کے مصداق "کہانی لکھ واٹس ایپ یہ بھیج" پہ عمل پیرا ہوا تاکہ ہم سب کے لیے یہ سہولت باقی رہے ورنہ عین ممکن ہے کہ یہ سہولت چھین لی جائے (اللہ نہ کرے)

یہاں ایک بات اور بھی یاد آگئی کہ ہمارے نئے نویلے لکھاری دوستوں کو کیا پتہ کہ آج سے دس سال پہلے جب ہم لکھا کرتے تھے تو کتنے پاپڑ بیلنا پڑتے تھے؟

نہیں معلوم تو سن لیجئے! ہم کاغذ قلم تھام کر پہلے رف لکھتے تھے، پھر اسے نیٹ کرتے تھے اور ایک سطر چھوڑ کر لکھتے تھے تاکہ مدیر صاحب کہانی کی اصلاح کرسکیں، پھر اکثر ایسا ہوتا تھا کہ لکھا ہوا مواد اتنا وزنی ہوجاتا کہ وہ وہ ڈاک لفافے میں داخل ہونے سے انکار کردیتا تھا۔

تب ہم ان لکھے ہوئے کاغذات پہ خوب کسی کے استری پھیرا کرتے تھے (بے ساختہ ہنسی آگئی مجھے تو یہ یاد کرکے) ہاں تو جناب استری کے بعد وہ تحریریں لفافے میں ڈال کر ڈاک خانے جانا پڑتا تھا اور پھر کہیں جا کر ہمیں اطمینان نصیب ہوتا تھا۔

اب آپ سوچیں کہ آپ کو کس قدر سہولت ملی ہوئی ہے کہ آپ کہانی لکھ کر واٹس ایپ کردیتے ہیں اور بس۔

عبداللہ جان مہمند بھائی ہمارے مہمندی پھول ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے مسکراہٹ کے پھول روانہ ہیں۔

جزاکم اللہ خیرا۔

زبیر طیب بھائی کی کمی ہر رسالہ ملنے پہ ہوتی ہے۔ زبیر بھائی! براہ کرم اب کوئی نیا سلسلہ شروع کردیجیے۔

حضرت امیر محترم حفظہ اللہ تعالیٰ نے یا لطیف جل شانہ کے روشن موتی بکھیرے اور ہم نے کئی قیمتی موتی چنے۔

دانیال حسن بھائی ازواج مطہرات کا سلسلہ بہت سہل انداز میں لکھ رہے ہیں۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ ان کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔

بھائی عرفان اللہ اختر نے سردی اور عبادت کے عنوان سے مضمون لکھا، سچی بات یہ ہے کہ ہم بھی اس پہ لکھنے کا سوچ رہے تھے۔ جزاک اللہ خیرا بھائی کہ آپ نے لکھ کر خوشی بخشی۔

محمد بن طلحہ السیف نے "علم کی معراج" لکھ کر علمی شمع روشن کی۔ بہت مفید باتیں پڑھنے کو ملیں۔

خطوط پڑھ کر بھی مزا آیا۔ دوستوں سے ملاقات ہوگئی۔ ایسے میں بھائی محمد شعیب صاحب کا خط پڑھا اور ان کا یہ حکم بھی کہ ہم خطوط کی بزم میں شریک ہوا کریں، تو شعیب بھائی، آپ کا حکم سر آنکھوں پر، ہم بزم میں حاضر ہو چکے ہیں۔

مدیر محترم سے ایک سوال کے ساتھ ہی اجازت لیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں اس خط کے ساتھ جنوری کے مسلمان بچے میں آپ کی کوئی کہانی پڑھنے کے لیے مل سکتی ہے؟؟

براہ کرم ''مساجد مہم'' کے سلسلے میں کوئی کہانی ضرور لکھیے یا پھر نہ لکھنے کی وجہ لکھیے!

والسلام مع الاکرام

محمد فیصل علی

☆......☆......☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مدیر محترم اپنی تمام ٹیم کے ساتھ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ مسلمان بچے پوری آب و تاب کے ساتھ ماشاء اللہ جگمگا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے دن دگنی رات چگنی ترقی نصیب فرمائے اور اس میں لکھنے والوں اور اسے پڑھنے والوں کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ آمین

ماشاء اللہ سبھی تحریریں شاندار ہوتی ہیں اور نئے لکھنے والوں کی خصوصی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے یہی اس رسالے کی خاص شان ہے۔

نئے چہروں میں عطاء السلام سحر، محمد زبیر زائر، محمد شعیب، سعدیہ اعوان، ایم تجمل بیگ، بیگم ناجیہ شعیب و دیگر ماشاء اللہ خوب رونق لگا رہے ہیں۔ بلاشبہ بہت ہی اچھا لکھ رہے ہیں۔

اللھم زد فزد

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں میں بھائی فیصل علی اور عبد الحفیظ امیر پوری صاحب حق ادا کر رہے ہیں۔ بندہ فرصت کے لمحات کی توفیق کے انتظار میں ہے۔

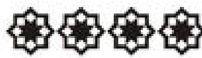
جانباز کے اختتام کے بعد ابھی تک نئی تحریر کی گنجائش نہیں بن پائی۔

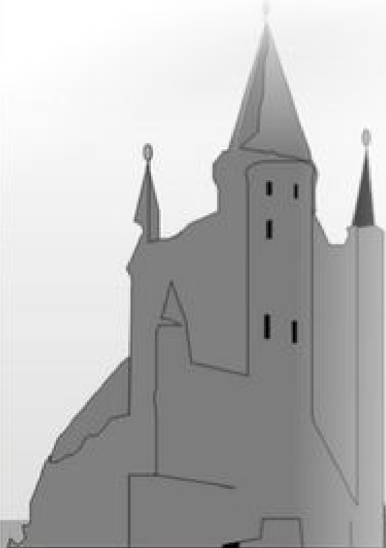
اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں۔ آپ سب کی فرمائش اور محبت کا تہہ دل سے شکریہ اور نوازش۔

حضرت امیر محترم حفظہ اللہ کو سلام عرض ہے اور دعاؤں کی درخواست!

والسلام

زبیر طیب





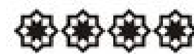
تحریروں کی دُنیا

یوں بھی ہوتا ہے

"ارے! وہ دیکھ کالے مونہہ والا جا رہا ہے۔"

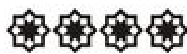
شاکر نے عبدالحفیظ کو دیکھ کر کہا۔

شاکر اور اس کا دوست اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ عبدالحفیظ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور روتے روتے ایک گلی میں جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ چپ ہو کر گھر واپس چلا گیا۔



عبدالحفیظ ایک غریب خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ وہ قدرتی طور پر بہت ہی کالا تھا۔ اسی وجہ سے وہ جہاں بھی جاتا تھا لوگ اسے مزاق کا نشانہ بناتے تھے۔ پہلے تو اسے بہت دکھ ہوتا تھا اور بعد میں وہ اس لفظ کا عادی ہو گیا تھا۔ اس کے والد صاحب کسی مرض کی وجہ سے انتقال کر چکے تھے اور اب وہ اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کی والدہ نیک اور خود دار خاتون تھیں۔ جو اپنے شوہر کی وفات کے بعد سلائی کڑھائی کا کام کرتی تھیں۔ مگر کبھی بھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتی تھیں۔

عبدالحفیظ بڑا ہوتا گیا اور اب وہ پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ صبح سویرے قرآن مجید پڑھنے جاتا اور اس کے بعد سکول کی تیاری کرتا اور سکول چلا جاتا تھا۔ اس کا سکول میں کوئی دوست نہیں تھا اور وہ ہمیشہ اکیلا ہی بیٹھتا تھا۔



ایک دن جب وہ سکول سے واپس گھر جا رہا تھا تو اچانک ہی رک گیا کیوں کہ اس کے سامنے اس کا ایک ہم جماعت جنید کھڑا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"گھر جا رہا ہوں اور کہاں جانا ہے میں نے" اس نے جواب دیا۔

"زبان چلاتا ہے" اس کو غصہ آ گیا۔

"اپنی شکل دیکھ اور مجھ سے برابری کرتا ہے۔ تمہاری یہ مجال کے مجھ سے زبان لڑاتا ہے" اس نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔

عبدالحفیظ وہاں سے روتا ہوا سیدھا گھر گیا اور اپنی

ماں سے جا کر کہا۔

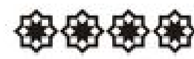
"امی میرا اہم جماعت مجھے کہتا ہے کہ تمھیں مر جانا چاہیے۔تم اس دنیا میں کسی کام کے نہیں"

"لوگوں کا کیا ہے لوگ تو کہتے رہتے ہیں"

"کیا میں واقعی میں کسی کام کا نہیں؟" اس نے حیرت اور پریشانی سے پوچھا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کسی نہ کسی کام کے لیے پیدا کیا ہے۔اور کوئی بھی انسان بے کار اور فالتو نہیں ہے۔جب تک تم غریب ہو یہ لوگ تمھیں برا بھلا کہیں گے۔جب تم امیر بن جاؤ گے تو یہی لوگ تم سے ملنے کو ترسیں گے اور تمہارے پاس ان سے ملنے کے لیے وقت نہیں ہوگا۔تم بس محنت کرو!" اس کی ماں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ گیا اور اب میں دل لگا کر محنت کروں گا اور بڑا آدمی بن کر دکھاؤں گا" اس نے اپنی ماں سے عہد کرتے ہوئے کہا اور باہر چلا گیا۔



وقت گزرتے دیر نہ لگی اور وہ اب اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا اور بہت ہی محنت سے پڑھائی کرتا رہا۔جب تعلیم کا سلسلہ مکمل ہوا تو اس نے ایک نجی گارمنٹس کمپنی میں بطور کمپیوٹر آپریٹر اپنے روزگار کا سلسلہ شروع کیا۔وقت گزرتا رہا وہ اسی کمپنی میں اپنی محنت کے بل بوتے پر اسٹنٹ منیجر لگ گیا۔کمپنی کا مالک اس سے بے حد خوش تھا۔

سات سال تک اس نے بطور اسٹنٹ منیجر اس کمپنی میں کام کیا اور اپنی تنخواہ میں سے رقم بچا کر اکٹھی کرتا رہا اور پھر اپنے کمپنی کے مالک سے مشورہ کیا کہ میں بھی ایک علیحدہ اپنا چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں۔کمپنی کے مالک نے اسے خوشی خوشی اجازت دے دی اور ساتھ ہی اپنے بھرپور تعاون کا اظہار کیا۔

عبدالحفیظ نے نفیس گارمنٹس کے نام سے اپنا کاروبار شروع کیا۔اللہ پاک نے برکت ڈال دی اور کچھ ہی عرصے میں اس کا کاروبار خوب ترقی کرنے لگا۔ اس نے اپنی سابقہ کمپنی میں جہاں وہ بطور اسٹنٹ منیجر کام کرتا تھا وہاں اپنی جگہ پر ایک بھروسے کا آدمی تیار کیا تھا اور اسے اپنی جگہ پر چھوڑ آیا تھا۔جس سے اس کا مالک بھی خوش تھا۔اس کے ساتھ تین چار افراد اور بھی کام کر رہے تھے۔مگر اب انتظامی امور سنبھالنے کے لئے اسے چند ایک کمپیوٹر آپریٹر کی ضرورت تھی تو اس نے اشتہار دیا۔مطلوبہ لوگوں نے درخواست جمع کرائیں۔انٹرویو کے مقررہ دن پر وہ سبھی افراد کا بذاتِ خود انٹرویو لے رہا تھا۔

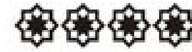
کمرے کا دروازہ کھلا ایک جانا پہچانا سا چہرہ نمودار ہوا۔اس نے کافی غوروخوض کرنے کے بعد اس شخص کو پہچان لیا۔انٹرویو مکمل ہوا اور وہ شخص بطور کمپیوٹر آپریٹر منتخب ہوگیا۔

یہ شخص جنید تھا۔اس نے عبدالحفیظ کو نہیں پہچانا تھا۔ بعد میں عبدالحفیظ نے اسے اپنا تعارف کرایا تو اسے اچھی طرح یاد آیا تو وہ معذرت کرنے لگا۔عبدالحفیظ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ مقررہ تنخواہ سے چند روپے اضافی دینے کی بھی ہامی بھرلی۔

اب پورے علاقے میں عبدالحفیظ کا نام تھا۔

غربت کا طعنہ دینے والے اب اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

تحریر: زیدا احمد زیدی



خیر خواہ

''بابا جانی!'' (ریحان رسالہ پکڑے بھاگتا ہوا اپنے والد کے پاس آیا۔ جو ٹی وی پہ خبر نامہ دیکھ رہے تھے)

''ہممم۔'' (انھوں نے ہلکی سی نگاہ ریحان پہ ڈالی اور پھر سے ٹی وی دیکھنے میں مگن ہو گئے)

ریحان: یہ دیکھیں تو سہی۔ رسالے میں کیا لکھا ہے؟ والد: کیا ہے ریحان؟

ریحان: بابا جانی کہانی سنیں۔

''تم سناؤ گے پڑھ کر؟'' عمران صاحب نے خوش ہو کر پوچھا۔

''جی! سنیں!'' (وہ کچھ دیر کو رکا، کتاب کے صفحے پلٹے، پھر کہنے لگا)

''بہت سال پہلے کی بات ہے ایک گاؤں میں دو سال تک بارش نہیں ہوئی۔ اس گاؤں کے چودھری نے پنچائیت بلائی۔ جس میں طے پایا کہ سارا گاؤں ایک کھلے میدان میں جمع ہو اور سب اللہ کے حضور دعا مانگیں کہ وہ بارش برسا دے۔ اگلے دن سارے گاؤں والے صبح ہوتے ہی مقررہ جگہ پہ پہنچنے لگے۔ اسی دوران ایک گیارہ سال کا بچہ چھتری لیے آ گیا۔ داخلے پہ موجود ایک شخص نے حیران ہو کر پوچھا۔ چھتری کیوں لائے ہو؟ ابھی بارش نہیں ہوئی۔ ابھی تو سب مل کر دعا کریں گے۔ بچے نے اطمینان سے جواب دیا۔ جس سے دعا مانگنی ہے۔ کیا اُس پہ اتنا یقین نہیں؟ کہ وہ آج ہی بارش برسا دے گا۔ وہ شخص بچے کی سمجھ اور یقین سے بے حد متاثر ہوا۔ اور خود پہ شرمندہ بھی۔ اور بچے کے یقین کی ایسی جیت ہوئی کہ عبادت کے دوران ہی چھم چھم بارش برسنے لگی۔''

والد: واہ ریحان! تم تو بہت اچھی اردو پڑھتے ہو۔ شاباش! اور کہانی تو بہت ہی اچھی ہے واقعی اللہ پہ یقین رکھ کر جو مانگو وہ مل جاتا ہے۔

''بابا! آپ ٹی وی پہ مسجدِ اقصیٰ اور فلسطینوں کی خبر سن رہے تھے ناں؟'' (ریحان نے والد سے سوال کیا۔)

والد: جی ہاں بیٹا! یہ لوگ بھی بہت مشکل اور تکلیف میں ہیں۔

ریحان: بابا! میں ان کے ساتھ وہاں جا کر مسجد کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ مگر کیا میں یقین سے ان کے لیے دعا کروں تو اللہ ان پہ بھی رحم کر دیں گے۔

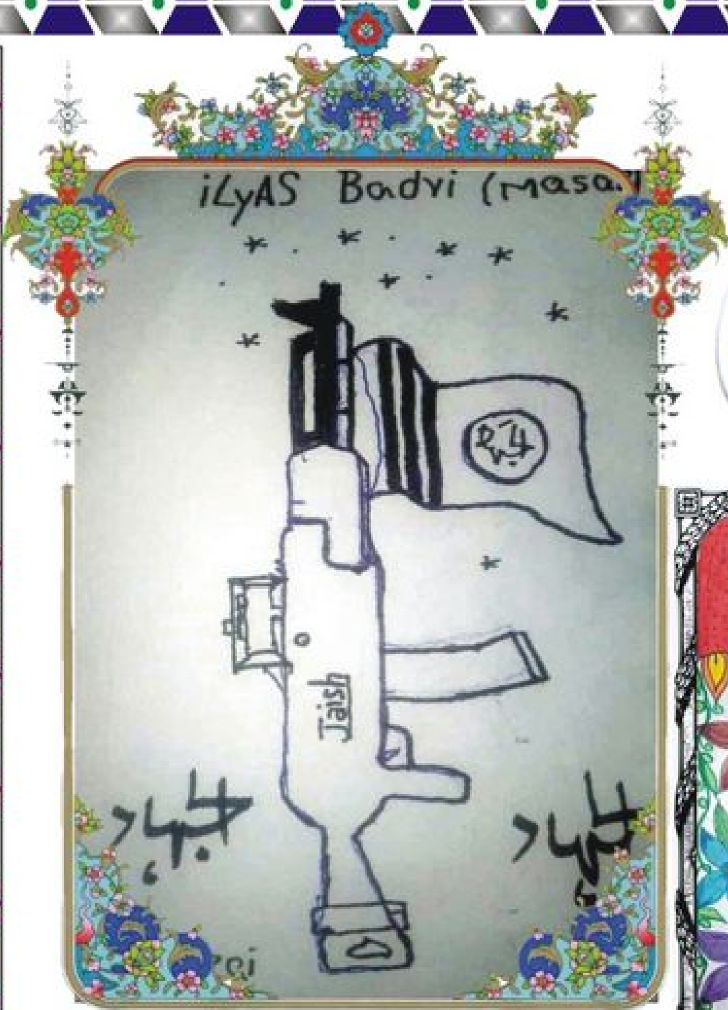
والد: بے شک میرے بچے! بے شک! اور اُن کے حق میں تمھاری یقین سے مانگی ہوئی دعائیں تمھارا جہاد ہیں۔

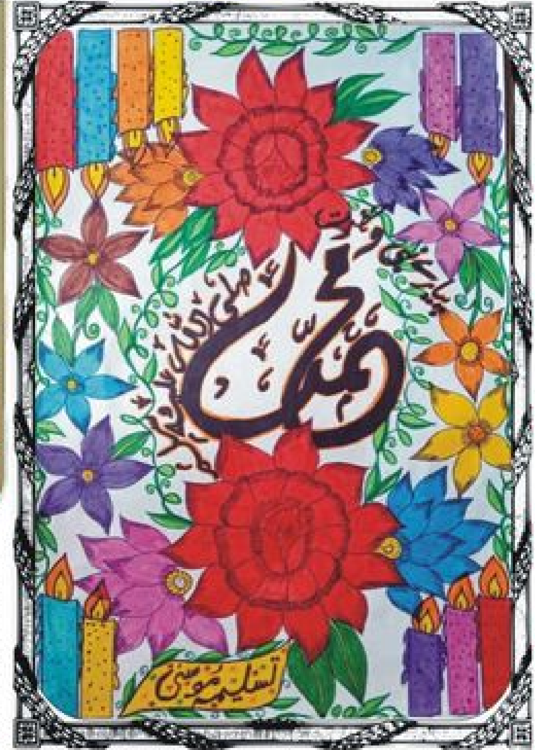
ریحان: ضرور کروں گا ابو جی، میری دعا بھی یقیناً انھیں آزادی دلوائے گی۔

(بیٹے کی سوچ اور اللہ پہ یقین نے باپ کو مجبور کر دیا کہ انھوں نے ٹی وی بند کر کے اسے والہانہ گلے سے لگا لیا۔)

تحریر: ہانیہ ارمیا


آرٹ
گیلری


iLyAS Badvi (Masa..
Jaish
الجهاد
الجهاد


محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تسلیمہ موسیٰ


Art ~ Tasleema ~ Mousa
اللہ اکبر



اللہ

تسلیمہ موسیٰ



"رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ"

اے میرے رب! میں بے بس ہوں تو
میری مدد فرما
آمین

إن الله مع الصابرين

بسم الله الرحمن الرحيم





ہمشیرہ بابر آفریدی شہیدؒ

خُلد کا حقدار

لال ہے نہ موتیوں کا ہار ہے
مرد کا زیور فقط تلوار ہے
قبضہء شمشیر کو مضبوط تھام
حملہ آور لشکر کفار ہے
ہر رکاوٹ راہ سے ہٹ جائے گی
ہاتھ میں گرنیزہء ضرار ہے
کون کرتا ہے اندھیرے کو پسند
روشنی ہر شخص کو درکار ہے
اے میرے درویش تیرا حوصلہ
رزم میں سب سے بڑا ہتھیار ہے
نعرہء تکبیر دوہراتے چلو
روکنا گر کفار کی یلغار ہے
سچے دل سے جو مجاہد بن گیا
وہ مسلماں خلد کا حقدار ہے